یا اللہ مدد — اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ — حق چار یار





مسلک علمائے دیوبند بالخصوص حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

بانی: محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ

108/107

جنوری، فروری 2020 — جمادی الاولیٰ والثانیہ

روافض کے ساتھ تعلقات ومعاملات کے سلسلہ میں درج ذیل پہلو ملحوظ نظر رکھنا ضروری ہے:

۱۔ کفار کے ساتھ دوستی وغیرہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

۲۔ کفار کا اسلامی شعائر استعمال کرنا اور اس میں مسلمانوں کا اُن کی حوصلہ افزائی کرنا کیسا ہے؟

۳۔ کفار کے ساتھ ایسا اتحاد جس سے حق و باطل خلط ملط ہو جائے، یا مغالطہ ہو، کیا درجہ رکھتا ہے؟

۴۔ کفار کی مذہبی تقریبات میں شرکت کی، مسلمانوں کو اجازت ہے یا نہیں؟

۵۔ اپنے کفریہ نظریات کو اسلام قرار دینے والے کافر (زندیق) کا حکم عام کافر جیسا ہے یا الگ؟

۶۔ منکر ختم نبوت کے ساتھ "ختم نبوت" کے عنوان پر کندھا ملانا، ختم نبوت کے ساتھ مذاق تو نہیں؟

۷۔ روافض اذان میں گویا خلفاء ثلاثہ کو غاصب قرار دیتے ہیں۔ ایسی نماز میں شمولیت جائز ہوگی؟

۸۔ روافض نماز کے بعد خلفاء ثلاثہ پر لعنت کرتے ہیں۔ اُن کی نماز کی امامت کا کیا حکم ہوگا؟

۹۔ وحدت امت کی تمام بنیادوں کے منکر و گستاخ کی وحدت کانفرنس میں شرکت کا کیا حکم ہے؟

۱۰۔ کیا کسی اثنا عشری شیعہ کو سنیوں کی نماز میں امام کے طور پر برداشت کیا جا سکتا ہے؟

[مرکز اہل تشیع میں مولانا زاہد الراشدی کی امامت: ۱۸]

مظہریہ دار المطالعہ
0312-4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

یا اللہ مدد | عقیدہ حیات النبی ﷺ زندہ باد | شان رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شان صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ باد | مقام امام اعظم ابو حنیفہؒ زندہ باد | حق چار یار رضی اللہ عنہم

اکابرین دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر

بفیضان

مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہؓ

حضرۃ مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ

تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بیاد

محدثِ عرب و عجم آبروئے دیوبند امامِ اہل السنۃ والجماعۃ

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

تلمیذ رشید: سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرۃ مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

مفسر قرآن ولی کامل حضرۃ مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ

فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرۃ مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ

شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرۃ مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ

فخر اہل سنت وکیل صحابہؓ حضرۃ مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ

حکیم العصر شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ

امین ملت مناظر اسلام حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ

پاسبان مسلکِ احناف، شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ

ترجمان مسلکِ دیوبند مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ

وکیل صحابہؓ حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ

جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرۃ مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا

وکیل صحابہؓ حضرۃ مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ — حکیم العصر شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست

پیر طریقت شیخ الحدیث حضرۃ مولانا حبیب الرحمٰن سومرو صاحب مدظلہ

نگران

وکیل احناف مناظرِ اسلام حضرۃ مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب مدظلہ

مدیر اعلیٰ: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی 0301-7790908

مدیر مسئول: مولانا احسن خدامی 0320 4902150

مدیر: حمزہ احسانی 0307-5687800

فی شمارہ: 35......زر سالانہ: 400 روپے

برائے رابطہ: احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82 محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

ترتیب

وفیات

مجاہد ختم نبوت مولانا مجاہد الحسینی رحمہ اللہ...... فخر اہل سنت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ کی ہمشیر رحمہا اللہ...... شیخ التفسیر مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم کی اہلیہ محترمہ رحمہا اللہ [ظاہر پیر، ضلع رحیم یار خان]......مولانا قاری عبدالرحمٰن ضیاء صاحب کے فرزند حافظ محمد حمدان محسن رحمہ اللہ [سرگودھا]...... مولانا قاری عبدالرحمٰن ضیاء صاحب کے بہنوئی عبدالسلام رحمہ اللہ [کوٹلہ جام، بھکر]......دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مدظلہم کے فرزند حافظ سعید رحمہ اللہ......محترم جناب فضل اللہ صاحب [چیچہ وطنی] کے والد گرامی رحمہ اللہ......تلمیذ امام اہل سنت مولانا قاری عطاء الرحمٰن خانوخیل رحمہ اللہ [ڈیرہ اسماعیل خان]......حضرت مولانا سید حبیب اللہ شاہ کی ہمشیر رحمہا اللہ [نہڑ والی ضلع بہاول پور] ......مولانا اورنگزیب فاروقی صاحب کے والد محترم رحمہ اللہ...... جناب محمد عابد صاحب کی عزیزہ رحمہا اللہ [اچھرہ، لاہور]......مولانا قاری سید لبیق شاہ کے والد مکرم مولانا سید خلیق ساجد بخاری رحمہ اللہ لاہور...... مولانا فہیم الحسن تھانوی صاحب کی ہمشیر رحمہا اللہ......مولانا محمد سلیم نور پوری کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ......مولانا محمد زاہد نور پوری کے والد گرامی رحمہ اللہ......خواجہ محمد ارشد صاحب......مولانا امین الرشید بہاول پوری کے والد عبدالرشید رحمہ اللہ

قارئین سے مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

پیامِ صفدر — مدیر کے قلم سے

اہلِ تشیع کے مرکز میں مولانا زاہدالراشدی صاحب کی امامت

حق وباطل میں التباس پیدا کرنے، کفرواسلام کا فرق مٹانے اور شیعیت کو اسلام باور کرانے کی خوفناک کوشش

۱۹/ربیع الاول ۱۴۴۱ھ بمطابق ۱۷/نومبر ۲۰۱۹ء بروز اتوار لاہور میں اثناعشری شیعوں کے مرکز **"جامعة العروة الوثقی"** میں ''ختم نبوت ووَحدتِ امت کانفرنس'' منعقد ہوئی، اس کانفرنس میں عمِ مکرم مولانا زاہدالراشدی بھی شریک ہوئے، شرکت کے جوش، قیادت وسیادت کے شوق اور اتحاد کے جنون میں مولانا موصوف نے وہاں نمازِ ''ظہرین'' کی امامت بھی کرادی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موجودہ زمانے کے رَوافض کے بارے میں چند پہلو ایسے ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے، مگر المیہ یہ ہے کہ خود کو ''راسخ العقیدہ سنی'' اور ''متصلب دیوبندی'' کہلوانے والے بعض علماء نہ صرف یہ کہ اُن قیود وشرائط کو مسلسل پامال کررہے ہیں بلکہ اُن کا طرزِ عمل حق وباطل میں التباس پیدا کررہا ہے۔ اور کفرواسلام کا فرق وامتیاز ہی محو ہوتا چلا جارہا ہے۔ امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے کیا ہی متوازن اور عمدہ بات تحریر فرمائی ہے: "إدخال كافر فی الملة وإخراج مسلم عنها عظيم فی الدين." کسی کافر کو اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو کافر سمجھنا (دونوں چیزیں) دینی اعتبار سے، بہت بڑا جرم ہیں [إكفار الملحدين: ۲۷] مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کفر کے برابر درجے کا گناہ ہے۔ [فتاویٰ محمودیہ: ۴۷۶/۲] اندازہ لگالیا جائے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کھلے گستاخ سے اپنی دستار بندی کراکے اسے ''مولیٰ کا کرم'' قرار دینا اور اثناعشری شیعوں کا امام بن کر ایسے بڑے جرم کا سبب بننا کس درجے کا جرم ہوگا۔

دو مشہور نام اور اُن کے کام:

ہمارے عہد میں ایسے ''علماء'' میں مولانا طارق جمیل اور عمِ مکرم مولانا زاہدالراشدی کے نام سرفہرست ہیں۔ ''جناب عالمی مبلغ'' اور ''مفکر اسلام صاحب'' کی ان مساعی کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ حضرات باطل کو حق کی ''دعوت'' یا اُن کے روبرو اپنی ''فکر'' تو کیا پیش کریں گے، ان کے نزدیک حق کی حقانیت اور باطل کے ابطال کی ضرورت کا سوال ہی بے معنی ہو چکا ہے۔ ان حضرات نے عملاً اسلام کے دائرے کو معکوس حد تک وسیع کردیا ہے۔ کچھ عرصہ (حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ اور حضرت حاجی

عبدالوہاب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد) سے اہل سنت کے ایک بڑے طبقے کو یہ ''بدگمانی'' ہونے لگی ہے کہ شاید یہ حضرات حلقہ اہل سنت میں اُن ہی کے آلہ کار یا کم از کم ''سہولت کار'' کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔

ان کی مسلسل ''رفض نواز'' سرگرمیوں کے نتیجے میں برصغیر کے اندر حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے لے کر امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہما اللہ تک اسلاف اہل سنت کی تین سو سالہ کوششوں پر سوالیہ نشان قائم ہو جاتا ہے۔ اور اہل سنت کا پورا اعتقادی، کلامی اور اِفتائی منہج محض کاغذی پتنگ بازی معلوم ہونے لگتا ہے۔

دوہرے معیار کی حامل شخصیت:

مولانا زاہدالراشدی صاحب بھی عجیب دوہرے معیار کی حامل شخصیت ہیں، اپنے صاحبزادے عمار خان ناصر پر اعتراضات اور تنقید کرنے والوں کے بالمقابل ان میں دفاع، غیرت وحمیت پوری شدت و حدت کے ساتھ بیدار ہو جاتی ہے، اور وہ صاحبزادہ موصوف پر اعتراض اور تنقید کرنے والوں کو ''غرانے'' والا کہنے سے بھی دریغ نہیں فرماتے، لیکن فِرقِ باطلہ کے روبہ رو حق کی آواز بلند کرنے میں وہ برف کی طرح ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ اِس دوہرے معیار کے باعث ان کی شخصیت اور فکر دونوں تضادات کا مجموعہ معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے اِس موقف کے حق میں ہم اُن کے ایک ہی مضمون کے دو اقتباسات پیش کرتے ہیں، پہلے یہ اقتباسات ملاحظہ کیجیے! اس کے بعد ہماری معروضات!

ماہنامہ ''الشریعۃ'' مارچ ۲۰۱۱ء میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون ''قومی وملی تحریکات میں اہل تشیع کی شمولیت'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> ''ایک موقع پر بعض دوستوں نے یہ سوال کیا ہے کہ ہمارے والد محترم امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کا موقف اور طرز عمل کیا تھا؟ خصوصاً اس پسِ منظر میں کہ انہوں نے اثنا عشری اہل تشیع کی تکفیر پر ''ارشاد الشیعہ'' کے نام سے کتاب بھی لکھی ہے۔ میں نے گزارش کی کہ انہوں نے ''ارشاد الشیعہ'' تصنیف فرمائی اور اس میں انہوں نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ صرف اُن کا موقف نہیں بلکہ یہ تو اہل سنت کا موقف ہے اور خود ہمارا موقف بھی اثنا عشری اہل تشیع کی حد تک یہی ہے۔'' [ماہنامہ الشریعہ، مارچ ۲۰۱۱ء]

مذکورہ اقتباس میں مولانا زاہدالراشدی صاحب نے شیعہ اثناعشریہ کے متعلق درج ذیل تین اُمور کو برحق تسلیم فرمایا:

۱......اثناعشریہ کی ''تکفیر'' پر حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے ''ارشاد الشیعہ'' تصنیف فرمائی۔

۲......اثناعشریہ کی تکفیر حضرت امام اہل سنت کی ذاتی رائے نہیں بلکہ یہ اہل سنت کا موقف ہے۔

۳......اثناعشری شیعوں کی حد تک مولانا زاہدالراشدی کا مسلک وموقف بھی تکفیر کا ہی ہے۔

اہل سنت کی بعض تحریکات میں روافض کی شمولیت:

اثناعشریہ کے متعلق اہل سنت کے اِس قدر واضح اور دوٹوک موقف کے باوجود اہل سنت کی بعض تحریکات میں اہل تشیع کی شمولیت دکھائی دیتی ہے، جس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ: وطن عزیز پاکستان میں علماء اہل سنت نے ۱۹۵۳ء اور اس کے بعد ۱۹۷۴ء میں ختم نبوت کی ملک گیر تحریک چلائی، علماء کرام کی انتھک محنتوں اور جاں سوز قربانیوں کے نتیجے میں قادیانیت پاکستان میں آئینی طور پر ''غیر مسلم اقلیت'' قرار پا چکی ہے۔ تحریک ختم نبوت میں دیگر مکاتبِ فکر کے ساتھ اہل تشیع بھی (اپنے عقیدہ امامت کو تقیہ کی چادر میں چھپانے کے لیے) آکر ساتھ مل گئے تھے۔

اہل تشیع، اُن کے مذہب وفکر، ذوق ومزاج اور مستقبل کے عزائم سے گہری واقفیت رکھنے والے اکابر علماء نے ختم نبوت کے محاذ پر بھی اہل تشیع کی شرکت کو گوارا کرنے سے یکسر انکار کر دیا تھا۔ مگر اُن اکابر کے احتجاج کے باوجود قادیانیوں کے خلاف قانون سازی کے لیے سماجی دائرے میں اہل تشیع کی اِس شرکت کو ''نظریہ ضرورت'' کے تحت گوارا کرلیا گیا۔ جو احتجاج کرنے والے اکابر کے نزدیک یقیناً تسامح تھا۔ اور اُن ہی اکابر کے رائے میں ''اہل تشیع کی اِس شمولیت کے بھیانک نتائج نہ جانے کب تک ہم بھگتتے رہیں گے۔'' کیونکہ اس کی وجہ سے سنی قوم کے لیے یہ حقیقت سمجھنا دشوار ہوگیا ہے کہ: ختم نبوت کے اِنکار اور شرعی حکم کے لحاظ سے قادیانیوں اور اثناعشری شیعوں میں کوئی فرق نہیں۔

مولانا زاہدالراشدی صاحب اپنے متذکرہ مضمون میں ہی اہل تشیع کی، تحریک ختم نبوت وغیرہ میں شمولیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''میں نے دوستوں سے عرض کیا کہ کسی کو مسلمان، منافق یا کافر قرار دینے کا مسئلہ اپنی جگہ پر ایک دینی ضرورت ہوتی ہے، لیکن قومی ضروریات اور معاشرتی روابط ومعاملات کا ایک مستقل دائرہ ہوتا ہے، اور ہمارے بزرگوں نے اپنی اپنی جگہ ان دونوں کا لحاظ رکھا ہے۔....خود میرا معمول بھی بحمداللہ تعالیٰ یہی ہے کہ بعض معاملات پر اپنی مستقل رائے رکھتا ہوں۔ اس کا اظہار بھی کرتا ہوں۔ اور کوئی مناسب موقع ہو تو اس پر بحث ومباحثہ سے گریز بھی نہیں کرتا، لیکن عملاً وہی کرتا ہوں جو اجتماعی فیصلہ ہوتا ہے اور جمہور اہل علم کا موقف ہوتا ہے۔'' [ایضاً]

تحریک ختم نبوت سے لے کر آج تک کے اِس سارے زمانے میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ علمائے اہل سنت نے سنیت وشیعیت کے دینی، اُصولی اور اَساسی فرق کو نظر انداز کر کے اُن کے ساتھ دینی و مذہبی طور پر ایسے گھلنا ملنا گوارا کرلیا ہو جس سے اہل تشیع اور اہل سنت کے اصولی اختلافات اور دینی اعتقادات، اجتہادی اور

فروعی درجے کے باور کیے جانے لگیں۔ اگر کسی (مولانا محمد خان شیرانی، مولانا محمد طارق جمیل وغیرہما) کی طرف سے ایسا ہوا بھی تو اُس پر اہل علم کی طرف سے شدید نکیر کی گئی۔ مولانا زاہدالراشدی صاحب کی بات سماجی دائرے تک رہتی تو اُسے ماضی کے ''تسامح'' کی پیروی کہا جا سکتا تھا، لیکن اِنصاف سے غور کرنا چاہیے کہ:

۱۔ شیعہ اثناعشریہ کی واضح تکفیر کو جمہور اہل سنت کا مذہب و موقف تسلیم کرنے کے باوجود اُن کی عبادت گاہ میں جا کر نماز کی امامت کرنا کیا یہ بھی ''سماجی دائرے'' کی چیز ہے؟

۲۔ کیا یہ طرزِ عمل جمہور علماء اور خود حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے موقف کا تمسخر اڑانے کے مترادف نہیں ہے؟

۳۔ اثناعشریہ کو خود کافر تسلیم کرنے کے باوجود انھیں نماز میں شامل کرنا کیا انھیں عملاً مسلمان باور کرنا نہیں ہے؟ اس طرزِ عمل سے خود مولانا موصوف پر کیا فقہی حکم عائد ہوتا ہے، یہ بھی ایک مستقل سوال ہے۔

۴۔ مولانا موصوف کے اس قول میں کتنی صداقت باقی رہ جاتی ہے کہ:

> ''خود میرا معمول بھی بحمد اللہ تعالیٰ یہی ہے کہ بعض معاملات پر اپنی مستقل رائے رکھتا ہوں۔ اس کا اظہار بھی کرتا ہوں۔ اور کوئی مناسب موقع ہو تو اس پر بحث و مباحثہ سے گریز بھی نہیں کرتا، لیکن عملاً وہی کرتا ہوں جو اجتماعی فیصلہ ہوتا ہے اور جمہور اہل علم کا موقف ہوتا ہے۔''

ہماری رائے میں مولانا زاہدالراشدی صاحب کا، اثناعشریہ کی امامت کرنا اور پھر خود کو جمہور اہل سنت کے موقف کا متبع قرار دینا سادگی یا شاطری کا شاہکار ہے۔ مولانا کی تحریروں میں اس نوعیت کے تضادات کا ایک اَنبار جمع ہے، جو بہر حال کسی محقق کے کرنے کا ایک مستقل کام ہے۔

کیا یہ عمل حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے مسلک و مزاج کے مطابق ہے؟

اِن تمام نقائص کے باوجود مولانا موصوف بہ زعم خود امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے ''شارح'' اور ''ترجمان'' بھی ہیں۔ حالانکہ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی تحریرات اپنے موقف پر واضح ہیں، اُنھیں کسی شارح اور ترجمان کی ضرورت نہیں۔ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ تو مماتیوں کی اقتداء میں نماز کو مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ قرار دیتے تھے۔ اور مولانا کا صاحبزادہ شیعوں کی اقتدا میں نماز پڑھ کر سرِ عام اُس کا اعلان تک کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا، اور مولانا اُس کے اِس عمل پر نکیر کے بجائے روافض کے ''امام'' بننے کو پسند فرماتے ہیں۔ اگر آج حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ حیات ہوتے تو اُنھیں اپنے بڑے بیٹے کے اِس' خلافِ دین، خلافِ جمہور، خلافِ مسلک طرزِ عمل پر کتنی تکلیف ہوتی!؟

اللہ تعالیٰ متساہلین کی ایسی تمام کوششوں کو مکمل طور پر ناکام فرمائیں، حق و باطل رکفر و اسلام کے درمیان نمایاں حدِ فاصل کو تا قیامِ قیامت قائم رکھیں اور اکابر اہل سنت دیوبند نے حق و باطل کو خلط ملط ہونے

سے بچانے کے لیے جو اقدامات فرمائے جملہ اہل سنت کو اُن کی پوری پاسداری کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

چند پہلو، جنھیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

جن اکابر نے کسی بھی محاذ پر اہل تشیع کی شرکت کو گوارا نہیں کیا، اُن کا یہ موقف بے وزن نہیں، بلکہ یہ تو اُن بزرگوں کی، روافض کے عقائد واَفکار اور اُن کے مذہب سے گہری واقفیت اور جملہ دینی پہلوؤں کی پوری رعایت کی دلیل ہے۔ چنانچہ ہم زیرنظر مضمون کے آغاز میں اشارہ کر چکے ہیں کہ: رَوافض کے بارے میں چند پہلو ایسے ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا شرعاً انتہائی ضروری ہے، مثلاً:

(۱)......کفار کے ساتھ دِلی دوستی وغیرہ کا حکم:

جمہور اکابر اہل سنت دیوبند کے نزدیک موجودہ زمانے کے روافض مسلمان نہیں، کافر ہیں۔ جیسا کہ مولانا زاہدالراشدی صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اور اُن کے کفر کی کوئی ایک وجہ نہیں بلکہ اُن کے متعدد عقائد صریح کفر پر مبنی ہیں۔ لہٰذا اُن کے ساتھ کوئی بھی ایسا معاملہ کرنا یا ایسا رویہ رکھنا جو شریعت کی رو سے صرف مسلمانوں کے لیے خاص ہے، کیسے درست ہوسکتا ہے!

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

> **"لایتخذ المؤمنون الکٰفرین اولیاء من دون المؤمنین، ومن یفعل ذلک فلیس من الله فی شیء."** [آل عمران: ۲۸] نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر، اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ اِس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

> ''مومن لوگ مومنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ کیونکہ کافروں کا پروگرام قرآن پاک کے خلاف ہے۔ وہ تو کفر کو غالب دیکھنا چاہتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں یہود، نصاریٰ، مشرک، منافق سب شامل ہیں۔ کسی کے ساتھ دوستانہ جائز نہیں۔'' [تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن: ۱۰۳/۴]

دوسرے مقام پر اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

> **"الم تر الی الذین تولوا قوما غضب الله علیهم، ماهم منکم ولا منهم."** [المجادلة: ۱۴] کیا آپ نے اُن لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن اللہ نے غضب کیا ہے۔ یہ لوگ نہ تو تم میں ہیں اور نہ ان ہی میں۔'' (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''مسلمان کی دِلی دوستی کسی کافر سے نہیں ہوسکتی۔......بہت سے حضرات فقہاء نے یہی حکم فساق وفجار

اور دین سے عملاً منحرف مسلمانوں کا قرار دیا ہے کہ اُن کے ساتھ دلی دوستی کسی مسلمان کی نہیں ہو سکتی۔''

[معارف القرآن: ۳۵۲/۸]

اور امام اہل سنت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایمانی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ مومن آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ دوستانہ نہ رکھے، خواہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔'' [ذخیرۃ الجنان: ۵۸/۲۰]

شریعت کا حکم صرف یہی نہیں کہ کافروں سے دوستی نہ ہو، بلکہ شریعت چاہتی ہے کہ اہل ایمان کو کفر اور کافروں سے بغض ہونا چاہیے، شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کے قلب میں کفر اور کافروں کی نفرت اور بغض ہو۔''

[معارف القرآن: ۶۱/۸۔سورۃ ممتحنہ:۱]

جبکہ مولانا زاہد الراشدی کے فرزند دلبند عمار خان ناصر لکھتے ہیں کہ:

''میرے اپنے گھر کا جو ماحول ہے، وہ تھوڑا مختلف ہے، میرے والد کا جو انداز نظر ہے اور ان میں جو ایک وسعت فکر ہے، اس کا اس میں بڑا کردار ہے۔.... ان کے اپنے نہایت گہرے ذاتی دوستوں میں ایسے لوگ شامل رہے ہیں جنھیں عام طور پر مذہب دشمن اور Leftist سمجھا جاتا ہے۔'' [الشریعہ: ۲۷، مارچ ۲۰۱۱ء]

اور مولانا زاہد الراشدی صاحب نے خود بندہ کو بتایا کہ:

''کل ہمارے گھر (جاوید احمد) غامدی آیا ہوا تھا۔ ہم نے کھانا اکٹھے کھایا۔ (پھر فرمانے لگے:) لڑائی منہ بسور کے نہیں لڑی جاتی، گپ شپ بھی رکھتا ہوں اور لڑائی بھی لڑتا ہوں۔''

(۲)......کفار کے لیے اسلامی شعائر استعمال کرنے کا شرعی حکم:

جب اثنا عشریہ کافر ہیں، اور اُن کا کفر مولانا زاہد الراشدی کو بھی تسلیم ہے تو پھر اِس پہلو پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ اُن کے لیے اسلامی شعائر استعمال کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ مسجد و مدرسہ بنانے کا، اسلام کے نام پر کوئی ادارہ قائم کر کے لوگوں کو دھوکہ دینے کا۔ اور اگر وہ اسلامی شعائر استعمال کرتے ہیں تو اُن کی قائم کردہ مساجد و مدارس میں شرکت کرنا اُن کے اِن ناجائز اور غاصبانہ اقدامات کی حوصلہ افزائی کے زمرے میں آئے گی یا نہیں؟

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''ما کان للمشرکین ان یعمروا مسٰجد اللہ شٰھدین علیٰ انفسھم بالکفر اولئک حبطت اعمالھم وفی النار ھم خٰلدون. [/] مشرکین کو حق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو تعمیر کریں، در آں حالیکہ وہ اپنی ذات پر کفر کی گواہی دے رہے ہیں، ان لوگوں کے عمل اکارت ہو چکے اور وہ دوزخ میں

ہمیشہ رہیں گے۔‘‘

’’فتاویٰ ختم نبوت‘‘ میں ہے:

’’مسجد شعائر اللہ اور شعائر اسلام میں سے ہے جو صرف اہل اسلام کی عبادت گاہ ہوسکتی ہے، قرآن کریم نے یہ اُصول وضع کیا کہ کوئی غیر مسلم اس کی تعمیر و تولیت کا اہل نہیں۔....یہی حکم مسجد کے علاوہ دیگر اسلامی شعائر اور اسلامی اصطلاحات کا ہے، ان کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے۔اور اسلام کبھی اس امر کو برداشت نہیں کرتا کہ اس کی مقدس اصطلاحات و علامات کو منافقین و مرتدین کی دستبرد کا کھلونا بنا ڈالا جائے۔....علماء اسلام نے تصریح کی ہے کہ غیر مسلموں کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔اگر وہ یہ حرکت کرتے ہیں تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ انھیں اس سے باز رکھیں۔قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ترجمہ: ’’مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ کفار کو تعمیر مساجد سے باز رکھیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مسجدیں صرف عبادتِ الٰہی کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں، پس کسی کافر کا یہ کام نہیں کہ انھیں تعمیر کرے۔‘‘ [تفسیر مظہری: ۱۴۶/۴] امام قرطبی لکھتے ہیں: (ترجمہ) ’’مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ خود احکام مساجد کے متولی ہوں اور کافروں کو ان میں مداخلت سے باز رکھیں۔‘‘ [تفسیر قرطبی: ۸۹/۸] شیخ الاسلام علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ’’اور ملحدین اگر کوئی مسجد بنائیں تو وہ مسجد نہیں ہوگی۔چنانچہ ’’تنویر الابصار‘‘ کے ’’باب الوصایا الذی‘‘ وغیرہ میں لکھا ہے: اہل ہوا کے عقائد اگر کفر کی حد تک پہنچے ہوئے نہ ہوں تو اس کا حکم ’’تعمیر مسجد کی‘‘ وصیت میں مسلمان جیسا ہے، اور کفر کے عقائد رکھتا ہو تو وہ بمنزلہ مرتد کے ہے۔فتاویٰ مفتی محمود: ۴۵۲/۱‘‘ [فتاویٰ ختم نبوت: ۳۳۷/۱]

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’مسجد کا لفظ مسلمانوں کی عبادت گاہ کے ساتھ مخصوص ہے،....یہ نام دیگر اقوام و مذاہب کی عبادت گاہوں سے ممتاز رکھنے کے لیے تجویز کیا گیا ہے،....جو چیز کسی قوم کے ساتھ مخصوص ہو، وہ اس کا شعار اور اس کے تشخص کی خاص علامت سمجھی جاتی ہے، چنانچہ مسجد بھی اسلام کا خصوصی شعار ہے۔....اگر فوج کا شعار غیر فوجی کو اپنانا جرم ہے اور جج کا شعار کسی دوسرے شخص کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں، تو یقیناً اسلام کا شعار بھی کسی غیر مسلم کو اپنانے کی اجازت نہیں ہوسکتی۔....قرآن کریم میں صاف صاف ارشاد ہے:

”ماکان للمشرکین ان یعمروا مسٰجد الله شٰهدین علیٰ انفسهم بالکفر اولئک حبطت اعمالهم وفی النار هم خٰلدون مشرکین کو حق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو تعمیر کریں، درآں حالیکہ وہ اپنی ذات پر کفر کی گواہی دے رہے ہیں، ان لوگوں کے عمل اکارت ہوچکے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔‘‘ اس آیت میں چند چیزیں توجہ طلب ہیں:

اول: یہ کہ یہاں مشرکین کو تعمیر مسجد کے حق سے محروم قرار دیا گیا ہے، کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ

کافر ہیں۔

دوم: اپنی ذات پر کفر کی گواہی دینے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنا کافر ہونا تسلیم کرتے ہیں اور خود اپنے آپ کو ''کافر'' کہتے ہیں۔ کیونکہ دنیا کا کوئی کافر بھی اپنے آپ کو ''کافر'' کہنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے عقائد کا برملا اعتراف کرتے ہیں جنہیں اسلام، عقائدِ کفریہ قرار دیتا ہے۔

سوم:...اگلے جملے میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے عمل اکارت ہیں۔....اس لیے کافر نہ صرف تعمیر مسجد کا بلکہ کسی بھی عبادت کا اہل نہیں....امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبریؒ (متوفی: ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں: ''جو شخص کافر ہو۔ اس کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کی تعمیر کرے۔'' [تفسیر ابن جریر: ۹۳/۱۰] ....امام عربیت جاراللہ زمخشری لکھتے ہیں: ان کے لیے کسی طرح درست نہیں کہ وہ دو متنافی باتوں کو جمع کریں کہ ایک طرف خدا کی مسجد یں بھی تعمیر کریں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کے ساتھ کفر بھی کریں۔ [کشاف: ۲۵۳/۲]....امام فخر الدین رازیؒ (متوفی: ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں: ''کفار کو مسلمانوں کی مسجدوں میں سے کسی مسجد کی تعمیر کی اجازت نہیں۔'' [تفسیر کبیر: ۷/۱۶]....امام قرطبیؒ (متوفی: ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں: ''مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ انتظام مساجد کے متولی خود ہوں اور کفار و مشرکین کو ان میں داخل ہونے سے روک دیں۔'' [تفسیر قرطبی: ۸۹/۸]....مطلب یہ ہے کہ جو شخص پورے دین محمدی پر ایمان رکھتا ہو اور کسی حصۂ دین کا منکر نہ ہو، اسی کو تعمیر مساجد کا حق حاصل ہے۔ غیر مسلم فرقے جب تک دین اسلام کی تمام باتوں کو تسلیم نہیں کریں گے تعمیر مسجد کے حق سے محروم رہیں گے۔.... جو شخص مرزائیوں کی طرح عقیدۂ کفر رکھنے کے باوجود اسلام کا دعویٰ کرتا ہو وہ اسلام کی اصطلاح میں منافق ہے، اور منافقین کے بارے میں حکم یہ ہے کہ انھیں مسجدوں سے نکال دیا جائے۔....وہ تمام اُمور جو عرفاً و شرعاً مسلمانوں کی مسجد کے لیے مخصوص ہیں، کسی غیر مسلم کو ان کے اپنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اس لیے کہ اگر کسی غیر مسلم کی عبادت گاہ مسجد کی وضع و شکل پر تعمیر کی گئی ہو، مثلاً اس میں قبلہ رخ محراب بھی ہو، مینار اور منبر بھی ہو، وہاں اسلامی اذان اور خطبہ بھی ہوتا ہو، تو اس سے مسلمانوں کو دھوکا اور التباس ہوگا، ہر دیکھنے والا اس کو ''مسجد'' ہی تصور کرے گا، جبکہ اسلام کی نظر میں غیر مسلم کی عبادت گاہ مسجد نہیں بلکہ مجمع شیاطین ہے۔.... مسجد کا قبلہ رخ ہونا اسلام کا شعار ہے.... محراب اسلام کا شعار ہے۔'' [تحفہ قادیانیت: ۲۵۶/۶ تا ۲۸۱]

مجلس عمل علمائے شیعہ پاکستان، لاہور کے سربراہ مرزا یوسف حسین لکھتے ہیں:

''جو شخص یا گروہ اُصول دین یا ضروریات دین کا منکر ہو، وہ کافر اور ناپاک ہے، اور چونکہ فرقہ مرزائی ضروریات دین خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا منکر ہے، اور ان کا کفر متفق علیہ اور مسلم ہے، اس لیے انھیں حق نہیں کہ اسلام کی مخصوص عبادت گاہ یعنی مسجد کے نام پر اپنی عبادت گاہ کا نام مسجد رکھیں یا اس وضع کی عبادت گاہ بنائیں جس وضع کی مسلمان مساجد تعمیر کرتے ہیں۔'' [ایضاً]

(۳)......ایسا اتحاد جس سے حق و باطل کے خلط ملط ہونے کا اندیشہ ہو:

نیز روافض چونکہ مسلمہ کافر ہیں، اِس لیے یہ پہلو بھی ضرور مدنظر رکھنا چاہیے کہ اُن کے ساتھ کوئی بھی ایسا اتحاد جو دین یا مذہب کے نام پر ہو، جس سے حق و باطل کا فرق ختم ہونے کا اندیشہ ہو، کفر و اسلام کا فرق مٹنے کا خدشہ ہو، سنیت و شیعیت کے مابین حد فاصل مدھم ہونے کا ڈر ہو، شرعی طور پر وہ اتحاد کیا حکم رکھتا ہے!

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"**ولا تلبسوا الحق بالباطل**. [البقرہ: ۴۲] اور مت ملاؤ صحیح میں غلط۔"

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حق بات کو چھپانا یا اس میں خلط ملط کرنا حرام ہے۔ آیت (بالا) سے ثابت ہوا کہ حق بات کو غلط باتوں کے ساتھ گڈ مڈ کر کے اس طرح پیش کرنا جس سے مخاطب مغالطہ میں پڑ جائے، جائز نہیں۔'' [معارف القرآن: ۲۰۸/۱]

(۴)......کفار کی مذہبی رسومات اور جلسوں میں شرکت کا حکم:

اثنا عشریہ کے کفر کی وجہ سے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ: شریعت کی رو سے مسلمانوں کو عام کفار کے ساتھ بعض معاملات کی گو اجازت ہے، مگر اُن کی مذہبی رسومات و عبادات میں شرکت کی کوئی گنجائش کسی مسلمان کے لیے ہے یا نہیں؟ بالخصوص ان کی مذہبی عبادت میں اُن کی امامت کو قبول کرنا شریعت میں کیا درجہ رکھتا ہے!

''امداد الاحکام'' میں ہے:

''کفار کی مذہبی دعوتوں میں شرکت جائز نہیں۔'' [امداد الاحکام: ۳۹۴/۴]

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''**سوال**: غیر قوم کے لوگ (غیر مسلم) ہمیں بعض اوقات ان کے مذہبی اجتماع میں شرکت کرنے کے لیے دعوت دیتے ہیں۔ ایسے اجتماع میں شرکت کرنا شریعت کے اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟

(**جواب**) اُن کے اجتماع کو اپنی شرکت سے رونق دینا درست نہیں: "**من كثر سواد قوم، فهو منهم**". [فتاویٰ محمودیہ: ۵۶۸/۱۹]'' (**سوال**) کفار کے مذہبی جلوس میں شریک ہونا مسلمانوں کو کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ (**جواب**) ناجائز ہے۔'' [ایضاً: ۴۲۴/۲۴]

(۵)......اپنے کفریہ نظریات کو اسلام قرار دینے والے کا حکم:

روافض کے حوالے سے ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ: مختلف دار الافتاؤں سے جاری شدہ مطلق یا

مقید فتاویٰ کے مطابق اثناعشریہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔لیکن اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف یا اپنے کفریہ نظریات کو پیغمبر اسلام کی طرف منسوب نہ کرتا ہو۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اپنے کفر کو اسلام قرار دینے والے کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ عام کفار کے حکم میں ہے یا اُس کے حکم میں کوئی شدت وسختی شریعت نے لاگو کی ہے؟ نیز ایسے کافروں کے شرعی حکم کو نظرانداز کرتے ہوئے اُنھیں عام کافر قرار دے کر اُن سے اتحاد کی دلیلیں گھڑنا شریعت کے ہاں کیا درجہ رکھتا ہے!

محدث العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو زبان سے اقرار کرتا ہو لیکن دین کی حقیقت بدلتا ہو، اسے زندیق کہتے ہیں۔ وہ پہلی دو قسموں سے زیادہ شدید کافر ہے۔'' [احتساب قادیانیت: ۴۴/۴]

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جو امور بدیہی طور اور قطعی طور پر دین سے ثابت ہوں، ان میں تاویل کرنا اور ان کے ایسے معنی بیان کرنا جو اجماعی عقیدہ کے خلاف ہوں، قرآن کریم میں اس کا نام الحاد اور حدیث میں اس کا نام زندیق ہے۔ اور اصطلاح شریعت میں ملحد اور زندیق اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو الفاظ تو اسلام کے کہے، مگر معنی ان کے ایسے بیان کرے جس سے اس کی حقیقت ہی بدل جائے......جو شخص دین اسلام کا تو دل سے مقر ہو مگر ضروریات دین میں ایسی تاویلیں کرتا ہو جس سے شریعت کی حقیقت اور غرض وغایت ہی بدل جائے تو ایسا شخص اصطلاح شریعت میں ملحد اور زندیق کہلاتا ہے۔ جس طرح منافق کا حکم کافر سے اشد ہے، اسی طرح ملحد اور زندیق کا حکم منافق سے اشد ہے۔ اور الحاد وزندقہ درحقیقت نفاق کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ جس طرح منافق ملمع کاری سے کام لیتا ہے، اسی طرح ملحد اور زندیق اپنے عقائد کفریہ پر تاویل فاسد کے ذریعہ اسلامی صورت کا ملمع کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے، تاکہ لوگ اسلام کے دھوکہ میں اس کے باطنی کفر کو قبول کرلیں۔ جیسا کہ علامہ شامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں: **"فان الزندیق یموہ کفرہ ویروج عقیدتہ الفاسدۃ ویخرجھا فی الصورۃ الصحیحۃ."** [شامی: ۳۳۴/۳، باب الردۃ] ترجمہ: تحقیق ملحد اور زندیق اپنے کفر پر اسلام کا ملمع کرتا ہے، تاکہ اپنے عقیدہ فاسد کو اس ملمع کاری کے ذریعہ لوگوں میں رائج کر سکے اور اپنے فاسد عقیدہ کو عمدہ صورت میں پیش کر سکے۔'' [احتساب قادیانیت: ۴۲۵/۲۔۴۲۶]

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جو لوگ دعویٰ اسلام کا کریں لیکن عقائد کفریہ رکھتے ہوں اور قرآن وحدیث کے نصوص میں تحریف کر کے انھیں اپنے عقائد کفریہ پر فٹ کرنے کی کوشش کریں انھیں ''زندیق'' کہا جاتا ہے...... ان کا حکم بھی ''مرتدین'' کا ہے بلکہ ان سے بھی سخت۔'' [فتنہ قادیانیت کو پہچانیے: ۱۷۶......تحفظ ختم نبوت: ۲۱۰]

''زندیق جو اپنے عقائد کفریہ کو اسلام کے نام سے پیش کرتا ہو، اس کے بارے تمام اہل علم متفق ہیں کہ اس کا حکم مرتد کا ہے۔'' [فتاویٰ بینات:۱/۳۷۶] ''زندیق وہ شخص ہے جو اسلام کے خلاف عقائد رکھتا ہو، اس کے باوجود اسلام کا دعویٰ کرتا ہو اور تاویلات باطلہ کے ذریعہ اپنے عقائد کو عین اسلام قرار دیتا ہو۔''

[فتاویٰ ختم نبوت:۱/۲۹۷......آپ کے مسائل اوران کا حل:۵/۷۱]

مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''کفر کی ایک خاص قسم جس کو زندقہ یا الحاد کہتے ہیں۔....ملحدین اور زنادقہ کی بن آئی کہ اسلام کے بھیس میں بدترین کفر کی تبلیغ کرتے رہیں۔.....چوتھی صورت یہ ہے کہ قول وفعل کو بھی تسلیم کرتے ہوئے اس کے مفہوم کی تاویل کر کے قرآن وحدیث کی قطعی تصریحات کے خلاف کسی خودساختہ مفہوم پر محمول کرے۔ ....تکذیب کی یہ چوتھی صورت قرآن کی اصطلاح میں ''الحاد'' اور حدیث میں ''الحاد'' و''زندقہ'' کے نام سے موسوم ہے۔....تکذیب رسول کی یہ چوتھی صورت جس کا نام زندقہ والحاد ہے، درحقیقت نفاق کی ایک قسم ہے، اور عام نفاق سے زیادہ اشد اور خطرناک ہے۔....اَب نفاق کی ایک ہی قسم موجود ہے، جس کو زندقہ کہتے ہیں، یعنی دعوائے اسلام اور شرائع اسلام کا پابند ہونے کے ساتھ کوئی عقیدہ کفریہ رکھنا۔ یا ضروریاتِ دین میں تاویل باطل کر کے اس کے اجماعی معنی میں تحریف کرنا۔....حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ کفر وایمان میں الحاد وزندقہ کی شدید مضرت اور اس مسئلہ کی نزاکت کا خیال فرما کر ایک مستقل کتاب ''التفرقة بين الاسلام والزندقة'' تصنیف فرمائی ہے، جس میں قرآن وسنت اور عقل ونقل سے واضح کردیا کہ تاویل اور الحاد میں کیا فرق ہے، اور یہ کہ زنادقہ وملاحدہ کی اسلامی برادری میں کوئی جگہ نہیں، وہ دائرہ اسلام سے قطعاً خارج ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں۔.....(امام غزالی رحمہ اللہ کی طویل تحریر مع اردو ترجمہ نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس مفصل تحریر سے واضح ہوگیا کہ قرآن وحدیث میں ایسی تاویلات باطلہ کرنا جو ان کے اجماعی مفہوم کو بدل دیں، اور امت کے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی نیا مفہوم ان سے پیدا ہوجائے، ایسی تاویل بھی تکذیب رسول کے حکم میں ہے، جس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔..... یہاں صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ.... وہ تاویل جو ضروریات دین کے خلاف کی جائے، وہ تاویل نہیں،، بلکہ تحریف اور الحاد ہے اور باجماع امت کفر ہے۔....جو تاویل کسی نص صریح یا اجماع یا ضروریات دین کے مخالف ہو، وہ تاویل نہیں، بلکہ تحریف اور تکذیب رسول ہے، جس کا دوسرا نام الحاد وزندقہ ہے۔'' [جواہر الفقہ:۱/۴۰تا۸۶]

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ.....نے بھی شیعہ اثناعشریہ کو خارج از اسلام کافر بحکم مرتد قرار دیا ہے۔ اور اسی کو محققین کا مذہب بتایا ہے۔'' [بینات،خصوصی اشاعت:۱۴]

اثنا عشریہ بھی زندیق ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا فیصلہ:

مسند الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ رقم طرز ہیں:

’’....اگر زبان سے اعتراف کرے، مگر بعض ضروریات دین کی ایسی من مانی تاویل کرے جو صحابہ، تابعین، اجماع امت کے سراسر خلاف ہو تو ایسا شخص شریعت میں زندیق ہے۔....غرضیکہ زندیق سب کچھ مان کر سب پر پانی پھیر دیتا ہے۔ یہ ہے زندقہ۔ اس میں دین کی صورت بہرحال رہتی ہے اور حقیقت مسخ ہو جاتی ہے۔ یہ مرتد سے کئی گنا بدتر ہے۔....مثلاً: ایک شخص کہتا ہے کہ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد نبی کہلانا منع ہے۔ رہا نبوت کا مفہوم، یعنی ایسا انسان جو خدا تعالیٰ کی طرف سے خلق کو ہدایت کرنے آئے، واجب الاطاعت ہو، گناہوں سے معصوم، غلطیوں سے مبرا ہو، سو یہ آپ کے بعد ائمہ دین میں موجود ہے۔ پس ایسا شخص زندیق ہے۔ مسوی شرح مؤطا: ۲/ ۱۳۰‘‘ [احتساب قادیانیت: ۲۲/ ۱۸۶]

معاشرتی ضرورت...اور...مولانا راشدی کا بعض تقریبات وغیرہ میں شرکت سے انکار:

بعض احباب کی پُر اِصرار رائے ہے کہ: ’’غیروں کے اجتماعات میں شرکت اور اُن کی دعوت پر اُن کے ہاں جانا ایک معاشرتی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس سے کسی کو منع نہیں کرنا چاہیے۔ بس آدمی اپنا عقیدہ درست رکھے۔‘‘ اُن احباب کی خدمت میں عرض ہے کہ: معاشرہ کہتے ہی انسانوں کی درجہ بندی کو ہیں، آس پاس کے کن لوگوں سے تعلق رکھنا ہے، کن سے نہیں، کن سے زیادہ کن سے کم۔ کس کو کس قدر عزت دینی ہے۔ اِس درجہ بندی کے بغیر معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک انسان نہ تو ہر ایک سے تعلق رکھ سکتا، نہ ہر ایک سے ختم کر سکتا ہے، نہ ہر ایک سے برابر درجے کا تعلق رکھ سکتا ہے۔ لامحالہ درجہ بندی کرنی ہوگی۔ اَب سوال یہ ہے کہ: اِس درجہ بندی کا پیمانہ کیا ہے؟ بعض لوگوں کے نزدیک اِس درجہ بندی کا پیمانہ سرمایہ ہے، بعض کے نزدیک مفاد، بعض کے نزدیک اَخلاق ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کا پیمانہ ’’ایمان اور عمل‘‘ صالح ہے۔ اِسی بنیاد پر ہم کسی کے ساتھ تعلقات رکھنے، ختم کرنے یا کم وبیش کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

آخر مولانا زاہد الراشدی بھی بعض لوگوں سے تعلقات بالکل نہیں رکھتے، بعض سے بہت کم رکھتے ہیں، بعض سے زیادہ۔ بعض لوگوں کی دعوت قبول کرتے ہیں، بعض کی نہیں۔ مثلاً: موجودہ حکومت نے ایک سرکاری دینی تقریب کے لیے مولانا راشدی کو دعوت دی، دعوت قبول کرنے کے باوجود مولانا نے اُس میں شرکت سے اِس لیے اِنکار کر دیا کہ: ’’سرکاری ایجنسیوں کے کارندوں کا، مولانا کے ساتھ رویہ ہتک آمیز تھا۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ: مولانا اپنے ساتھ ہتک آمیز رویہ کی وجہ سے دینی تقریب میں شرکت سے انکار

کر سکتے ہیں تو اصحابِ رسول کے بارے میں ہتک آمیز رویہ رکھنے والوں کی تقریبات میں شرکت سے انکار کرنے میں اُن کو کیا رُکاوٹ ہے؟

اسی طرح ۲۰۰۹ء میں ماہنامہ ''وفاق المدارس'' میں ماہنامہ ''الشریعۃ'' پر تبصرہ شائع ہوا تو مولانا راشدی نے وفاق کی مجلس عاملہ کی رکنیت سے ہی استعفیٰ دے دیا۔ حالانکہ تبصرے کے لیے رسالہ خود بھیجا تھا۔

پھر ۱۰۔۲۰۰۹ء میں اکابر وفاق المدارس نے مولانا کو دو مرتبہ دعوت دی کہ وہ وفاق کی مجلس عاملہ میں تشریف لاکر اپنے موقف کی وضاحت کریں۔ لیکن مولانا نے شرکت سے صاف انکار کر دیا۔

اُسی دوران مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ، مولانا عبدالرزاق اسکندر، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم اور مولانا حنیف جالندھری پر مشتمل پانچ رکنی کمیٹی نے بھی بار بار مولانا زاہد الراشدی سے ملاقات کی کوشش کی، لیکن مولانا تیار نہیں ہوئے۔[1]

بعدازاں ۲۰۱۵ء میں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ نے مولانا راشدی کو دفتر وفاق ملتان میں تشریف آوری کی دعوت دی، تاکہ علماء کرام سے بالمشافہہ بحث ومباحثہ کے بعد کسی نتیجے تک پہنچا جا سکے۔ مگر مولانا راشدی اُن کی دعوتِ مباحثہ قبول کرنے سے پس وپیش کر گئے۔

مولانا کے اِنکار کی وجہ چاہے کچھ بھی ہو، مگر یہ تو ثابت ہوا کہ مولانا بھی بعض اوقات اپنی ہتک، اپنے بیٹے اور اپنے رسالے کی پالیسی کی طرف داری یا دیگر وجوہات کی بنا پر ''اپنوں'' کی دعوت بھی رَد کر دیتے ہیں۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ جب رسالے کی پالیسی یا بیٹے کی طرف داری کی وجہ سے دعوت رد ہوسکتی ہے تو اصحابِ رسول اور اسلامی عقائد کی طرف داری میں کیوں نہیں رد ہوسکتی؟ اپنی ہتک پر احتجاجاً شرکت سے اِنکار کیا جا سکتا ہے تو اصحابِ رسول کی توہین وگستاخی پر یہ اِنکار کیوں نہیں ہوسکتا؟

(۶)......منکرِ ختمِ نبوت کے ساتھ ''ختمِ نبوت'' کے عنوان پر کندھا ملانا:

روافض کا عقیدۂ امامت، اسلامی عقیدۂ ختمِ نبوت کے بالکل منافی اور متضاد ہے۔ خود مولانا زاہد

---

[1] مولانا راشدی کے ملاقات سے مسلسل اِنکار کی وجہ سے بالمشافہہ گفتگو کی کوئی صورت نہ بن سکی تو کچھ عرصہ بعد مولانا سلیم اللہ خانؒ نے مولانا راشدی سے بائیکاٹ کی تجویز پیش کر دی۔ اکابر علماء کی ایک بڑی تعداد نے اس کی تائید فرمائی۔ اِس تجویز سے اتفاق یا اختلاف ایک الگ بات ہے، مگر بعض بڑے حضرات شاید اپنے طرزِ عمل پر پردہ ڈالنے کے لیے کوئی معقول وجہ بیان کیے بغیر بائیکاٹ کی تجویز کو ''سیاسی'' فیصلہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر اُن حضرات سے سوال کر لیا جائے کہ: جب عمار خان ناصر نے قادیانیوں بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی تک کو کافر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا تو اُس وقت آپ کا رویہ سیاسی تھا یا غیر سیاسی؟ تو شاید وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکیں۔ اِسی طرح رَدِ غامدیت میں اُن کی کاوش کی تاخیر کی حقیقی وجہ ظاہر ہو جائے تو شاید وہ ''سیاسی'' سے بھی اگلے درجے کی چیز ہو۔۱۲

الراشدی صاحب نے عصمتِ ائمہ کے عقیدے کو کفر تسلیم کیا ہے۔یعنی اثنا عشریہ لفظی طور پر تو ختم نبوت کے قائل ہیں، لیکن حقیقت میں ختم نبوت کے منکر ہیں۔اِس پر دو درجن سے زائد اہل اکابر اہل سنت کے ٹھوس اور واضح حوالہ جات صفدر کے متفرق شماروں کی زینت بن چکے ہیں۔لہٰذا روافض کے حوالے سے اِس پہلو پر بھی نظر رہنی چاہیے کہ: اُن کا عقیدۂ امامت ختم نبوت کے منافی ہے۔اس صورتِ حال میں ''ختم نبوت'' کے عنوان پر اُن کے کندھے سے کندھا ملانا، کہیں عقیدہ ختم نبوت کے ساتھ مزاق تو نہیں؟ اور اُن کی ''ختم نبوت کانفرنس'' میں شرکت کہیں قادیانیوں کی منعقد کردہ ''ختم نبوت کانفرنس'' میں شرکت کے مترادف تو نہیں؟

اور رَوافض عقیدۂ اِمامت کو دِل وجان سے لگانے کے باوجود لفظی اور ظاہری طور پر جو ''ختم نبوت'' کا اِقرار و اِظہار کرتے ہیں، اُس کا واحد مقصد اپنے عقیدۂ اِمامت کو تقیہ کا غلاف پہنانا ہے۔لہٰذا یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ''ختم نبوت'' کے عنوان پر اُن کا ساتھ دینا کہیں اُن کے مشنِ تقیہ بازی میں معاونت تو نہیں؟

دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ میں ہے:

''جی ہاں! شیعوں کا عقیدۂ امامت ختم نبوت کے اِنکار کو مستلزم ہے اور اس کی وجہ سے یہ لوگ کافر ومرتد ہیں اور شرعی اعتبار سے مرتدین سے قطع تعلق رکھنا واجب وضروری ہے، لہٰذا شیعوں کو ختم نبوت کی کانفرنسوں میں اسٹیج پر دعوت دینا ناجائز ہے، اسی طرح شیعوں کو تحفظ ناموس رسالت کی کانفرنسوں میں بھی دعوت دینا جائز نہیں ہے، بلکہ علمائے اہل حق کی ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں میں وقتاً فوقتاً اعلان کریں کہ عقیدۂ امامت ختم نبوت کے انکار کو مستلزم ہے اور شیعہ اثنا عشری حقیقت میں ختم نبوت کے منکر ہیں، چنانچہ اسی فتنہ کی سرکوبی کے لیے ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں تحفظ ختم نبوت کا اجلاس ہوا تھا، اور اجلاس کی کچھ رپورٹ ماہنامہ دارالعلوم ماہ جنوری ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی تھی، چنانچہ ماہنامہ دارالعلوم میں ہے: ''اس لیے عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم (منعقدہ ۳۱/۳۰/۲۹/ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے موقع پر اسی تقاضۂ شرعی کے تحت حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے ایک تجویز پیش فرمائی جو بحث وتمحیص کے بعد اجلاس نمائندگان میں منظور کر لی گئی، تجویز کا متن یہ ہے:

''یہ اِجلاس اعلان کرتا ہے کہ شیعی اثنا عشری مسلک کا جو فی زمانہ دنیا کے شیعوں کی اکثریت کا مسلک ہے، اس مسلک کا ایک بنیادی عقیدہ ''عقیدۂ امامت'' براہِ راست ختم نبوت کا انکار ہے، اسی بناء پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے صراحت کے ساتھ ان کی تکفیر کی ہے، لہٰذا یہ اجلاس تحفظ ختم نبوت کا اعلان کرتا ہے کہ یہ مسلک موجب کفر اور ختم نبوت کے خلاف پرفریب بغاوت ہے، نیز یہ اجلاس تمام اہل علم سے اس فتنہ کے خلاف سرگرم عمل ہونے کی اپیل کرتا ہے۔'' [ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند: ۶، جنوری ۱۹۸۷ء]''

(۷)......روافض نماز کے بعد خلفائے ثلاثہ اور امہات المؤمنین پر لعنت کرتے ہیں:

روافض کا یہ پہلو بھی کسی طرح پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ اُن کی کتب میں لکھا ہے: نماز کے بعد جب تک خلفائے ثلاثہ اور امہات المؤمنین پر لعنت نہ کرلو، اپنی جگہ سے نہ اٹھو۔ چنانچہ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے رفیق سفر وحضر جناب نثار معاویہ صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت (مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ) اپنی مساجد میں دُشمنانِ صحابہ کو اِنفرادی طور پر نماز پڑھنے سے بھی روکنے کا فرماتے تھے، اس حوالہ سے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بیان فرماتے تھے کہ ہندوستان کے شہر بنارس میں اہل سنت نے شیعہ کو انفرادی طور پر بھی مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیا، چونکہ وہ انگریز کی حکومت کا دور تھا، شیعوں نے عدالت سے رجوع کیا کہ یہ ہمیں مسجد میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں، جج نے دونوں فریقوں کو عدالت میں طلب کیا، اہل سنت کی طرف سے امام اہل سنت مولانا عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ پیش ہوئے، بحث کے دوران جج نے امام اہل سنت سے کہا کہ مولانا مسجد آپ (اہل سنت) کی، انتظام آپ کا، اذان اور جماعت آپ کی، لیکن اس میں کیا حرج ہے کہ آپ کی نماز کی جماعت کے بعد کوئی شیعہ مسجد کے ایک گوشہ میں ہاتھ کھول کر اپنی انفرادی نماز پڑھ لے؟؟

حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: جناب! بات ہاتھ باندھنے یا کھولنے کی نہیں، بات یہ ہے کہ شیعہ کتب میں لکھا ہے کہ:

''تم اس وقت تک نماز کے بعد نماز کی جگہ سے نہ اٹھو جب تک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین یاروں (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم) اور دو بیویوں (حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ) پر لعنت نہ بھیج لو!''

جب یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ: نماز کے بعد ہماری ان محترم شخصیات پر یہ ایسا عمل کرتے ہیں تو پھر ہم کس طرح گوارہ کرسکتے ہیں کہ انہیں اس کی خود اجازت دیں؟؟ حضرت امام اہل سنت نے شیعہ کی اصل کتاب سے حوالہ نکال کر کتاب جج کے سامنے رکھ دی۔ جج نے شیعہ علماء سے دریافت کیا کہ کیا یہ تمہاری کتاب ہے؟ انہوں نے اقرار کیا کہ یہ ہماری کتاب ہے، مذکورہ حوالہ دیکھ کر اس جج نے (ناچیز کے ذہن سے محو ہوگیا ہے کہ حضرت اقدس نے کیا فرمایا تھا کہ جج ہندو تھا یا انگریز) شیعوں کا مقدمہ خارج کر دیا۔'' [حسین یادیں: ۱۷۷]

اِس حوالے سے بھی مولانا زاہدالراشدی صاحب کو سوچنا ہوگا کہ اُنھوں نے ایسی نماز کا امام بننا قبول کیا جس کے بعد خلفائے ثلاثہ اور امہات المؤمنین پر لعنت کیے بغیر نمازی اپنی جگہ سے نہیں اُٹھتے؟

(۸)......وحدتِ امت کی تمام بنیادوں کے منکر و گستاخ کی ''وحدت امت کانفرنس'':

لاہور کے اثنا عشری شیعہ عالم جناب جواد نقوی صاحب کی منعقد کردہ کانفرنس میں ''ختم نبوت'' کے ساتھ ساتھ ''وحدتِ امت'' کا عنوان بھی اپنایا گیا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ: وحدتِ اُمت کی اولین بنیاد خدا تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ اور اُس ذات کے بارے میں روافض عقیدہ بداء کے قائل ہیں، جو سراسر توہین خداوندی ہے۔ اور جناب خمینی نے تو اُس خدا کو خدا تسلیم کرنے سے اِنکار کر دیا ہے جس نے سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم، سیدنا عثمان اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم کو حاکم وقت بنایا۔ نیز مخصوص خدائی صفات کو ائمہ کے لیے تسلیم کرنا بھی رفض کا حصہ ہے۔

اُمت کی وحدت کی دوسری بنیاد قرآن پاک ہے، روافض اِسے اصلی قرآن ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وحدت کی ایک بنیاد سنتِ رسول ہے، روافض کو سنت اور اہل سنت کے نام سے ہی چڑ ہے۔ وحدت کی ایک بنیاد خلفاء راشدین ہیں، جن کی خلافت کے روافض علی الاعلان منکر ہیں۔ وحدت کی ایک بنیاد قرآن وسنت تک پہنچنے کا واحد ذریعہ اور ان کی تشریحات کا واحد معیار یعنی صحابہ کرام ہیں، جنہیں روافض مسلمان تک تسلیم نہیں کرتے۔

لہٰذا اِس پہلو کو بھی پس پشت ڈالنا ممکن نہیں کہ: وحدت کے اِن تمام ذرائع کا اِنکار بلکہ توہین و تنقیص کرنے والے روافض کی ''وحدتِ امت کانفرنس'' میں شرکت وحدتِ امت کے ساتھ استہزاء تو نہیں؟

گزشتہ سطور کا خلاصہ یہ ہے کہ: روافض کے ساتھ تعلقات و معاملات کے سلسلہ میں درج ذیل پہلو ملحوظ نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ کفار کے ساتھ دوستی وغیرہ کا شرعی حکم کیا ہے؟
۲۔ کفار کا اسلامی شعائر استعمال کرنا اور اِس میں مسلمانوں کا اُن کی حوصلہ افزائی کرنا کیسا ہے؟
۳۔ کفار کے ساتھ ایسا اتحاد جس سے حق و باطل خلط ملط ہو جائے، یا مغالطہ ہو، کیا درجہ رکھتا ہے؟
۴۔ کفار کی مذہبی تقریبات میں شرکت کی، مسلمانوں کو اجازت ہے یا نہیں؟
۵۔ اپنے کفریہ نظریات کو اسلام قرار دینے والے کافر (زندیق) کا حکم عام کافر جیسا ہے یا الگ؟
۶۔ منکر ختم نبوت کے ساتھ ''ختم نبوت'' کے عنوان پر کندھا ملانا، ختم نبوت کے ساتھ مزاق تو نہیں؟
۷۔ روافض نماز کے بعد ائمہ ثلاثہ پر لعنت کرتے ہیں۔ اُن کی نماز کی امامت کا کیا حکم ہوگا؟
۸۔ وحدتِ امت کی تمام بنیادوں کے منکر و گستاخ کی وحدت کانفرنس میں شرکت کا کیا حکم ہے؟

مذکورہ تمام پہلوؤں کو پامال کرنے والے:

مگر دُکھ یہ ہے کہ اِن تمام پہلوؤں کو پامال کرنے والے اور کوئی نہیں، امام اہل سنت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند مولانا زاہد الراشدی صاحب ہیں۔ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے ذوق ومزاج سے واقفیت رکھنے والے بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ مولانا راشدی کے اِن اقدامات سے حضرت امام سنت رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو کس قدر اذیت پہنچی ہوگی!! فإلی الله المشتکیٰ.

کیا یہ صاحب، حضرت امام اہل سنتؒ کے جانشین ہیں؟

حد تو یہ ہے کہ فکر ونظر میں حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ سے اختلاف، طرزِ عمل میں اُن کی مخالفت، اَنداز واَطوار میں اُن سے تضاد اور ذوق ومزاج میں اُن کے برعکس ہونے کے باوجود نہ صرف یہ کہ مولانا زاہد الراشدی ''راسخ العقیدہ سنی'' اور ''متصلب دیوبندی'' کہلاتے ہیں بلکہ نادان دوستوں کے یہاں مولانا راشدی ''جانشین امام اہل سنت'' بھی ہیں۔ بلکہ مولانا کے فکر وعمل سے واقفیت رکھنے والے بعض اہل علم بھی یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ: ''علمی حوالہ سے وہ کل بھی جانشین امام اہل سنت تھے، آج بھی جانشین امام اہل سنت ہیں۔'' لطف کی بات یہ ہے کہ: مولانا زاہد الراشدی کو حضرت امام اہل سنت کا ''مسلکی جانشین'' ماننے کے لیے وہ حضرات بھی تیار نہیں۔ اِسی لیے ''علمی'' کی قید لگاتے ہیں۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ بجا طور پر ''امام اہل سنت'' فقط علمی بنیادوں پر نہیں بلکہ مسلکی خدمات کی بنا پر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا مسلک ومشرب میں اُن سے مطابقت نہ رکھنے والے فرد کا ''جانشین امام اہل سنت'' کہنا محل نظر ہے۔

بلکہ ان کو جانشین امام اہل سنت کہنا کہیں روافض کو ختم نبوت کا محافظ کہنے کے مترادف تو نہیں؟

قصہ مختصر یہ کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب کا اہل تشیع کے ساتھ تعلقات رکھنا، اُن کے مرکز میں جانا، اُن کی ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کرنا، وَحدتِ اِمت کے پُرفریب نعرے میں اُن کا ساتھ دینا، نماز میں اُن کی امامت کرانا، حق وباطل کو خلط ملط کرنے میں اُن کا شریک بننا، اسلام وکفر کا فرق مٹانے میں اُن کا تعاون کرنا، شیعیت کو اسلام باور کرانے میں اُن کا معاون بننا، شعائر اسلامی کے استعمال میں اُن کی حوصلہ افزائی کرنا اور اِس سب پر اطمینان کا اظہار کرنا اکابر اہل سنت دیوبند بالخصوص حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے ذوق، مزاج، تعلیمات اور طرز عمل کے بالکل خلاف ہے۔

لہٰذا مولانا کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ مذکورہ بالا اُمور سے توبہ ورجوع کرکے آئندہ کے لیے ایسے اقدامات سے مکمل گریز فرمائیں، بصورتِ دیگر اُصولی طور پر (بہ شرط دیانت) اُنھیں اکابر اہل سنت بالخصوص حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کا نام استعمال کرنے پر نظر ثانی کرنی چاہیے! کیونکہ

ع یوں نہ تھا، میں نے فقط چاہا تھا یوں ہوجائے

ابن امام اہل سنت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہم

علامہ راشدی کی......شیعہ مرکز کے اندر امامتِ نماز

۱۷ رنومبر کو مختلف حضرات کی طرف سے ٹیلی فون اور میسج آنے لگے، جن میں یہ وحشت ناک خبر تھی کہ ۱۷ رنومبر کو شیعہ حضرات کے مرکز جامعۃ الوثقی مسجد بیت العتیق لاہور میں شیعہ حضرات کی طرف سے ختم ''نبوت و وحدت امت کانفرنس'' منعقد کی گئی جس میں دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے علامہ زاہد الراشدی صاحب اور مولانا اللہ وسایا صاحب کو دعوت دی گئی، پروگرام کے دوران نماز ظہر کا وقت ہو گیا تو شیعہ منتظمین نے نماز کی امامت کے لیے علامہ زاہد الراشدی کا اعلان کر دیا اور انہوں نے نماز کی امامت کی۔ میرے لیے یہ بات نا قابل یقین تھی، اس لیے میں نے سخت الفاظ میں اس کی تردید کر دی، لیکن کچھ دیر بعد ہی بعض حضرات کی طرف سے نماز کی وہ ویڈیو پہنچ گئی جو شیعہ حضرات کی طرف سے اپنی ویب سائٹ پر جاری کی گئی تھی، اس ویڈیو کے بعد میں کس کرب میں مبتلا ہوں اس کا اندازہ شاید کوئی نہ کر سکے۔

اور اس سے بھی زیادہ کربناک وہ دفاعی بیانات تھے جو سوشل میڈیا پر علامہ راشدی اور ان کے معاون کاروں کی طرف سے جاری کیے گئے، جن میں نفس مسئلہ کو بڑے ڈرامائی انداز میں بائی پاس کر کے اصل حقیقت کو نظروں سے اوجھل کرنے کی کوشش کی گئی، (موجودہ) اعتراض شیعہ مرکز کے اندر امامت نماز پر تھا لیکن جواب میں اس اعتراض کو یکسر نظر انداز کر کے یہ تأثر دینے کی کوشش کی گئی کہ اعتراض ختم نبوت اور وحدت امت کے مشترکہ پروگرام میں شرکت پر کیا گیا ہے، اور اسی پر صفایاں دی گئیں، حالانکہ (یہ) اعتراض اس مشترکہ پروگرام میں شرکت پر نہیں بلکہ علامہ راشدی کی امامت نماز پر تھا، کہ شیعہ مرکز کے اندر نماز کی امامت کرنا علامہ راشدی کا درست اور جائز عمل ہے یا ناجائز؟ خود علامہ راشدی اور ان کے دفاع کاروں کی طرف سے اس سوال کا جواب نہیں دیا جا رہا، البتہ مصنوعی اور کمزور سہاروں کی تلاش میں رہنے والے علامہ راشدی کے بعض عقیدت مندوں نے تنکہ کا یہ سہارا ضرور ڈھونڈ لیا کہ: ''علامہ راشدی نے نماز پڑھائی ہے، شیعہ کے پیچھے نماز پڑھی تو نہیں۔'' ان کی اس بچگانہ تاویل سے کسی ''متصلب دیوبندی'' کا دل تسکین و اطمینان پاتا ہے یا نہیں؟ میرے لیے کچھ کہنا محال ہے، البتہ میں اسے ان عقیدت مندوں کی خود فریبی ضرور قرار دے سکتا ہوں اور انہیں یہ مشورہ دے سکتا ہوں کہ وہ جتنی جلدی خود فریبی اور اندھی عقیدت کے اس خول سے باہر نکل سکیں ان کے لئے اتنا ہی بہتر ہو گا، کیونکہ ایمان و دیانت میں ہی ان کی نجات ہے۔

علامہ راشدی صاحب کے اِس عمل سے اس متصلب دیوبندی حلقہ کو شدید صدمہ پہنچا ہے جس کا فکری بلڈ گروپ مسلک دیوبند سے میچ کرتا ہے، اور میں علامہ راشدی کی خدمت میں صرف یہ عرض کرسکتا ہوں کہ وہ اس غلط فہمی یا خوش فہمی میں نہ رہیں کہ انہیں یہ امامت کسی رَواداری کے صلہ میں ملی ہے، بلکہ یہ تقیہ کی چادر میں چھپا ہوا وہ زہر آلود خنجر ہے جو ایک منظّم سازش کے تحت ہر راسخ العقیدہ سنی کے ایمان وضمیر کی پشت میں گھونپا گیا ہے، ورنہ حضرات خلفاء راشدین کی خلافت اور اصحاب نبوت علیہم الرضوان کی امامت کا منکر کسی سنی کو اپنا امام کیسے بنا سکتا ہے؟

اس بارہ میں سوشل میڈیا کے ذریعہ ہمارے سامنے تین قسم کے تصور آرہے ہیں:

۱...... پہلا تنقیدی تصور جس میں علامہ راشدی کے اس عمل پر تنقید کی گئی ہے۔

۲......دوسرا دفاعی تصور جس میں علامہ راشدی کے اس عمل کا دفاع کیا گیا ہے۔

۳......اور تیسرا وہ تصور جس میں علامہ راشدی کے اس عمل کو اہل سنت کی فتح اور شیعہ حضرات کی شکست قرار دیا گیا ہے۔

جہاں تک تنقیدی تصور کا تعلق ہے ہم اس پر بحث نہیں کریں گے کیونکہ ہم خود اس میں شامل ہیں اور ہم نے اپنے تصور کی وضاحت خود کردی ہے جو آئندہ سطور میں موجود ہے، البتہ دوسرے دونوں تصورات کا تذکرہ ہم ضرور مناسب سمجھتے ہیں۔

شیعہ زائرین ائمہ حرمین شریفین کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں:

علامہ راشدی کے دفاع کاروں کا جو سب سے مضبوط مؤقف یا تصور ہمارے سامنے آیا ہے وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حج یا عمرہ کے موقع پر شیعہ زائرین کا ائمہ حرمین کی اقتدا میں نماز پڑھنا ہے، ان کا کہنا ہے کہ: ''اگر ائمہ حرمین شیعہ کی امامت کرسکتے ہیں تو علامہ راشدی کیوں نہیں کرسکتے؟'' ہمارے خیال میں یہ تصور جہالت یا تعصب پر مبنی ہے، جس میں امامت اور اقتدا کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، کسی کا کسی کی امامت کرنا الگ مسئلہ ہے اور کسی کا کسی کی اقتدا کرنا الگ مسئلہ ہے، حرمین شریفین میں ائمہ حرمین شیعہ کی امامت نہیں کرتے بلکہ مختلف ممالک سے آئے ہوئے شیعہ ان ائمہ کی اقتدا کرتے ہیں، ان دونوں مسئلوں میں بڑا واضح فرق ہے، حرمین شریفین اہل السنۃ والجماعۃ کے روحانی مراکز ہیں جہاں ایران، عراق، لبنان، شام وغیرہ علاقوں سے مجبوری کے تحت یا تقیہ کے تحت شیعہ حج اور عمرہ کے لئے آتے ہیں وہ اگر ائمہ حرمین کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہیں تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ائمہ حرمین نے ان کی امامت کی ہے، بلکہ ہر عقلمند اور باشعور مسلمان یہ

سمجھتا ہے کہ شیعہ نے مجبوری یا تقیہ کے تحت ائمہ حرمین کی اقتدا کی ہے۔ لیکن یہاں مسئلہ الگ ہے، مسلک شیعہ کا ہے، مرکز شیعہ کا ہے، پروگرام شیعہ کا ہے جس میں انہوں نے ہمارے علماء کو بحیثیت مہمان بلایا ہے وہاں اگر ہمارا کوئی مسلکی عالم نماز پڑھاتا ہے تو اسے حرمین شریفین کی نماز کے ساتھ تشبیہ دینا کھلی جہالت یا کھلا تعصب ہے اور دفاع کی بڑی کھوکھلی کوشش ہے، ہمارے خیال میں ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کے مترادف ہے اور کسی بھی عقیدت مند کو ایسے تصور سے گریز کرنا چاہئے۔

کیا علامہ راشدی کی امامت اہل سنت کی فتح اور شیعہ کی شکست ہے؟

اس بارہ میں دوسرا تصور جو ہمارے سامنے آیا ہے وہ ایک نامور عالم دین اور ممتاز خطیب کا ہے، انہوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ: ''علامہ راشدی نے شیعہ مرکز کے اندر جو نماز پڑھائی ہے اس میں اہل السنۃ والجماعۃ کی فتح اور شیعہ کی شکست پائی جاتی ہے۔'' ان کا کہنا ہے کہ: ''شیعہ نے اپنے مرکز کے اندر ایک ایسے بزرگ کو امامت نماز سونپی ہے جن کے والد محترم نے شیعہ کے کفر پر کتاب (ارشاد الشیعہ) لکھی ہے اور وہ کتاب نہ گم ہوئی ہے، نہ کسی غار میں بند ہے بلکہ اس بزرگ کے اپنے کتب خانہ کے اندر موجود ہے، اب ایسے بزرگ سے اپنے مرکز کے اندر نماز پڑھوانا شیعہ کی شکست اور ان کی فکری پستی کی دلیل ہے، شیعہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے لیکن انہوں نے اپنے مرکز کے اندر ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی غلامی کا دعویٰ کرنے والے ایک بزرگ کو اپنا امام بنالیا جو شیعہ کی عبرتناک شکست ہے۔'' ان کا کہنا ہے کہ: ''نماز پڑھانے والے بزرگ کی میں بات نہیں کرتا کہ انہوں نے کس مجبوری کے تحت یہ امامت قبول کی کیونکہ میں مجبوروں اور بے بس لوگوں پر تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتا، لیکن شیعہ حضرات نے اپنے پروگرام میں ان کو دعوت دی، ان کا بیان کروایا اور انہیں اپنی نماز کا امام بنایا یہ شیعہ کی بہت بڑی شکست اور اہل سنت کی بہت بڑی فتح ہے۔''

ہم نہیں جانتے کہ مذکورہ موقف اور تصور کہاں تک درست اور قابل قبول ہے؟ لیکن اتنی بات واضح ہے کہ یہ تصور نا قابل فہم اور حیران کن ضرور ہے، اور ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ علامہ راشدی کا یہ عمل اہل السنۃ والجماعۃ کی شکست ہے یا اہل تشیع کی؟ لیکن اس بارہ میں ہمارے دل کے اندر چند سوالات اٹھ رہے ہیں۔

وحدتِ امت کی بنیاد کیا ہے؟

ہمارے دل و دماغ میں پہلا سوال یہ اٹھ رہا ہے کہ وحدت امت کے جس عنوان سے یہ پروگرام منعقد کیا گیا ہے اس وحدت امت کی بنیاد کیا ہے؟ جہاں تک ہم نے اپنے اکابر و اسلاف کی تعلیمات کے ذریعہ

وحدت امت کا اکلوتا اصول سیکھا ہے وہ سنتِ خلفاء راشدین اور تعامل صحابہ کرام علیہم الرضوان ہے، کیونکہ قرآن وسنت کی صداقت اور ان کے سپریم لاء ہونے کی واحد اور اکلوتی شہادت خلفاء راشدین وصحابہ کرام علیہم الرضوان کی مقدس جماعت ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے سپریم لاء ہونے کی اس واحد اور اکلوتی شہادت سے انکار کرنے والے گروہ کے ساتھ وحدت امت کا قیام ممکن ہے؟ حالانکہ فکری وعملی اصلاح کے لئے فرمان نبویؐ: **ما انا علیه و اصحابی.** کی روشنی میں صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ریاستی وحکومتی اصلاح کے لئے فرمان نبویؐ: **علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین.** کی روشنی میں خلفاء راشدین علیہم الرضوان قیامت تک کی امت مسلمہ کے لئے معیار واتھارٹی ہیں۔

کیا روافض کا عقیدہ عصمتِ ائمہ ختم نبوت کے منافی نہیں؟

ہمارے ذہن میں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا روافض کا عقیدہ عصمت ائمہ ختم نبوت کے منافی ہے یا نہیں؟ اگر ان کا عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے تو ان کی طرف سے اس عنوان سے کانفرنس میں شرکت کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

جہاں تک ہمارے اکابر کا تعلق ہے کہ انہوں نے روافض کو تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر دعوت دی تو میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے اکابر کا اصل مقصود پاکستان کے اندر قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانا تھا۔ اور میرے خیال میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کے خلاف قانون سازی میں فرق کرنا لازم ہے۔ اس بارہ میں ہماری سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ عقیدہ تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے کام کرنے والی اکثر جماعتیں اب تک قادیانیت کی مخالفت کے خول میں ہی بند ہیں اور صرف اسی کی مخالفت کو وہ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ سمجھتی ہیں۔

اگر اثنا عشری شیعہ کافر ہیں تو ان کی امامت کیسی؟

تیسرا سوال ہمارے ذہن میں یہ اٹھتا ہے کہ اثنا عشری شیعہ کو خود علامہ راشدی بھی کافر قرار دیتے ہیں کیونکہ اثنا عشری شیعہ اپنے بارہ اماموں کو معصوم عن الخطاء مانتے ہیں، ان پر وحی کا نزول تسلیم کرتے ہیں اور انہیں انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح واجب الاتباع قرار دیتے ہیں، اور یہ عقیدہ واقعی کفر ہے اور اس کے کفر ہونے پر اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع ہے، اور ہمارے ان علاقوں میں صرف اثنا عشری شیعہ ہی پائے جاتے ہیں، جب وہ خود علامہ راشدی کے نزدیک بھی کافر ہیں تو ان کی امامت کیونکر جائز ہے؟

امامتِ صحابہ کا منکر کسی ''راسخ العقیدہ'' سنی کو امام کیسے مان سکتا ہے؟

ہمارے ذہن میں اٹھنے والا چوتھا سوال یہ ہے کہ اس ''ختم نبوت ووحدت امت کانفرنس'' کا انعقاد شیعہ کے مرکز میں ہوا، اور ہمارے ہاں یہ روایت موجود ہے کہ جو مکتب فکر یا جماعت ایسے پروگرام کی داعی ہوتی ہے اس پروگرام میں اسی مکتبِ فکر یا جماعت کے افراد شریک ہوتے ہیں، باقی مکاتب کے صرف مقرر بطور مہمان شریک ہوتے ہیں، اب ان کے مرکز میں اُن کے لوگوں کی امامت کرنا کہاں تک درست ہے؟ جبکہ دیوبندی حضرات صفوں سے نکل گئے اور اہل حدیث حضرات نے اپنی جماعت الگ کرائی۔

یہ نماز شیعہ اذان پر ہوئی یا سنی اذان پر؟

ہمارے ذہن میں اٹھنے والا پانچواں سوال یہ ہے کہ علامہ راشدی نے شیعہ مرکز کے اندر جو نماز پڑھائی اس نماز کے لئے شیعہ اذان دی گئی یا سنی اذان؟ ظاہر بات ہے شیعہ مرکز کے اندر شیعہ اذان ہی دی گئی ہوگی اور علامہ راشدی اچھی طرح جانتے ہیں کہ شیعہ کی اذان بذات خود خلفاء ثلاثہ علیہم الرضوان پر تبرا ہے، کیونکہ وہ اس میں سیدنا امام علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بلا فصل کا عقیدہ ظاہر کر کے العیاذ باللہ تعالیٰ خلفاء ثلاثہ علیہم الرضوان کو ظالم وغاصب قرار دے کر نہ صرف ان کی خلافت کا انکار کرتے ہیں بلکہ ان پر تبرا بھی کرتے ہیں، حیرت ہے خلفاء ثلاثہ علیہم الرضوان پر تبرے والی اذان کے بعد علامہ راشدی نے تبرا بازوں کی امامت کیسے قبول کر لی؟

کیا کسی شیعہ عالم کو نصرت العلوم یا الشریعہ اکیڈمی میں امامت کا حق دیا جا سکتا ہے؟

ہمارے ذہن میں اٹھنے والا چھٹا سوال یہ ہے کہ علامہ راشدی نے باہمی مذہبی رَواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیعہ مرکز کے اندر نماز پڑھا دی، لیکن اگر علامہ جواد نقوی یا کوئی اور شیعہ راہنما جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ، جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ یا الشریعہ اکیڈمی میں آجائے تو اسی باہمی رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے علامہ راشدی ان کو اپنے مصلہ پر کھڑا کر سکیں گے؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب ہم بھی تلاش کر رہے ہیں اور ہر راسخ العقیدہ سنی ومتصلب دیوبندی بھی ان سوالات کے جوابات کا متلاشی ہے، فی الحال تو صورت حال یہ ہے کہ

وہ کتنا ہوشمند تھا جو میرے نام سے
مشہور خود ہوا، مجھے رسوائی دے گیا

حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی......مدرسہ ومحلّہ حیات النبیؐ گجرات......٦/ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ/۴/دسمبر ۲۰۱۹ء

مولانا حافظ محمد عبدالجبار سلفی الحنفی

اہل تشیع کے تعلیمی ادارہ میں آمد و امامت پر حضرت

مولانا زاہد الراشدی صاحب سے ایک مُؤدِّبانہ احتجاج

مؤرخہ ۱۷/نومبر ۲۰۱۹ء بروز اتوار صبح ۹/بجے تا نماز عصر اہل تشیع کے ایک اہم اور معروف تعلیمی ادارہ جامعہ عُروۃ الوثقی' لاہور میں ''وحدتِ امت اور ختم نبوت'' کے عنوان سے کنونشن منعقد ہوا، اور اس سے اگلے روز یعنی ۱۸/نومبر ۲۰۱۹ء بروز اتوار ایک دوسری شیعی تنظیم ''مجلس وحدت المسلمین'' کے زیر اہتمام ایوانِ اقبال لاہور میں بھی ''وحدت کانفرنس'' منعقد ہوئی اور ہر دو اجلاسوں میں جہاں اہل تشیع کے مختلف گروہوں اور جماعتوں کے افراد شریک ہوئے، وہاں اہل سنت سے تعلق رکھنے والے بعض مذہبی، سیاسی اور سماجی حضرات نے بھی حسبِ دعوت شرکت کی۔ تاہم اِن سطور میں جامعہ عروۃ الوثقیٰ والے کنونشن کے حوالہ سے کچھ معروضات پیشِ خدمت کی جارہی ہیں، اس سے قطع نظر کہ ہماری مندرج معروضات کو سازِ حقیقت کا نغمہ رسوا قرار دیا جاتا ہے یا اس کے برعکس کوئی رائے قائم کی جاتی ہے، ایک دردِ دل پر ناقۂ بے لگام جان کر ہی توجہ ڈال دی جائے تو ہم اسے اپنی خوش نصیبی پر محمول کریں گے۔

جامعہ عروۃ الوثقی میں منعقدہ کنونشن کے میزبان سید جواد نقوی تھے۔ جو اپنے بعض جدید خیالات کی بناء پر اہل تشیع میں بھی متنازعہ شخصیت کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ تاہم اپنے سیاسی و مذہبی افکار و نظریات کے لحاظ سے وہ ایک پختہ شیعہ عالم ہیں، جو قدیم زمانہ سے شیعوں میں آمدہ عقائد و نظریات پر نہ صرف خود کاربند ہیں بلکہ رہبری کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ آگے چلنے سے پہلے ''وحدت'' کے موضوع پر ہونے والی شیعہ کانفرنسوں اور اجلاسوں کا تعارف اس قدر ذہن نشین کر لیجیے کہ ۱۲/ربیع الاول تا ۱۷/ربیع الاول تک کو ایران کے سیاسی، شیعی مفکر خمینی صاحب نے ''ہفتہ وحدت'' کا نام دیا تھا۔ اور انہی کی خواہش پر ایران میں بھی ''عالمی وحدت کانفرنس'' ہر سال منعقد کی جاتی ہے۔

اور برصغیر پاک و ہند میں بھی ماہ ربیع الاول کے ان دنوں کو شیعہ مکتب میں ''ہفتہ وحدت'' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یہ ایک نہایت باریک اور خطرناک شاطرانہ چال ہے جسے کافی غور و فکر کے بعد لانچ کیا گیا تھا، کیونکہ ماہِ محرم الحرام میں شیعوں کی ماتمی مجالس، تبرائی جلسے اور فرقہ وارانہ جلوس اپنے مضر عزائم کی وجہ سے اور

ردِعمل میں علماء اہل سنت کی متواتر و مسلسل جد وجہد کی بناء پر اہل سنت عوام کو اہل تشیع سے فاصلے پر رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ نواصب وخوارج کی بھرپور محنت اور ریشہ دوانیوں کے باوجود ملک بھر میں اہل سنت کی مساجد ومراکز میں سال کے مختلف مہینوں اور دِنوں میں شہداء کربلا اور اہل بیت رسول کے تذکرے کی محفلیں وغیرہ منعقد ہوتی ہیں۔ جن کے اہم فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ سادہ لوح اہل سنت جہاں روافض کی دھوم دھام سے محفوظ رہتے ہیں، وہاں ناصبی وخارجی خیالات سے بھی بچے رہتے ہیں اور علماء اہل سنت کی اس جہد مسلسل نے اپنی دنیا آپ پیدا کر کے، اپنی ہزار شخصی واجتماعی کمزوریوں کے باوجود بہر حال مسلمانانِ وطن کو اپنے ماضی کے مقدس اور پاکیزہ رشتوں کے ساتھ مربوط ومضبوط رکھنے میں خاطر خواہ کردار ادا کیا ہے۔

چنانچہ خمینی صاحب چونکہ ایک سیاسی سوچ کے مالک تھے اور انہوں نے عاشورۂ محرم الحرام کے ماتمی جلوسوں کو بھی شیعیت کی سیاسی برتری وشوکت قرار دیا تھا، جس کی تفصیل ماضی قریب کے قومی وبین الاقوامی اخبارات وجرائد میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، ماہِ ربیع الاول میں اہل سنت کے ہاں سیرت النبی کے بابرکت عنوان پر ملک بھر میں دعوتی وروحانی جلسے منعقد کئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے مذہبی بیداری کا عمل جاری رہتا ہے۔ بلکہ اہل سنت کے ہاں تو مذہبی بیداری کا سلسلہ سال بھر رواں رہتا ہے۔ جبکہ اہل تشیع کے ہاں ان کے مخصوص عقیدۂ امامت کی بناء پر ۹۹ رفیصد مجلسیں ائمہ کرام کی ولادت وشہادت وغیرہ کی مناسبت سے ہی منعقد کی جاتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ اس خالص شیعی عنوان سے اہل سنت ان کے چکمہ میں نہیں آتے۔ اور یوں شیعیت اپنے محدود ومقید دائرہ میں ہی گھومتی رہتی ہے۔

خمینی صاحب نے دراصل ماہ ربیع الاول کی بارہ تا سترہ تواریخ کو ''ہفتہ وحدت'' اس لیے قرار دیا تھا تا کہ اتحاد و یگانگت کو اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں بیان کر کے اپنی اس قدیم روش پر پردے ڈالے جائیں جن کی وجہ سے شیعہ مذہب تاریخ انسانی کا ایک خونخوار، متعصب، شر پسند، عنادی، تکفیری اور امت مسلمہ کو نقصان پہنچانے والا سب سے پہلا اور خطرناک ترین طبقہ شمار ہوتا ہے، اسی فلسفہ وسوچ کے تناظر میں ''ہفتہ وحدت'' مناکر اس میں منعقدہ پروگراموں میں ماضی کے اندر بھی کچھ ایسے اہل سنت علماء کو بلایا جاتا رہا ہے کہ جنہیں خود اپنے گھر کی ہی خبر نہیں ہوتی۔ مگر اس مرتبہ جواد نقوی صاحب نے اس شیعی منصوبے کو جو ترقی دی ہے، اس پر ہمیں جہاں اپنوں کی بے خبری پر افسوس ہے، وہاں نقوی صاحب کی اس پالیسی پر داد بھی دینا پڑ رہی ہے کہ انہوں نے کس قدر تقیہ کا ہتھیار استعمال کر کے دو ایسے کام کر دکھائے ہیں کہ جن کی وجہ سے شیعیت کو وقتی طور پر ہی سہی، ایک زبردست پناہ گاہ مل گئی ہے، اور وہ دو کام یہ ہیں کہ:

...... خمینی صاحب کے وضع کردہ ''ہفتہ وحدت'' میں ختم نبوت کا اضافہ کیا۔ جبکہ اہل تشیع کا عقیدۂ

امامت خالص انکارِ ختم نبوت اور اجراءِ نبوت وعصمت کا مناد ہے۔اور آج تک اہل تشیع تقیہ وتلبیس کی زرہیں پہننے کے باوجود علماء اہل سنت کے تیغ علم وتحقیق سے اپنی گردن نہ بچا سکے۔اس لیے ان کا نعرہ ختم نبوت ہر دور میں زمزمۂ ناشنیدہ ہی رہا۔جواد نقوی صاحب نے ایک ایسے عنوان کے تحت منعقدہ کنونشن میں اہل سنت علماء کو اپنے چکمہ میں لیا کہ جو خود ان کے مذہب وعقائد کو صدیوں سے مشکوک بنائے ہوئے ہے۔

......دوسرا کام انہوں نے یہ کیا کہ اہل سنت کے ذمہ دار مکتب فکر دیوبند میں سے ایک ایسے خاندان سے متعلقہ عالم دین کو بطور مہمانِ خصوصی بلایا گیا اور انہیں ظہر (اہل تشیع کی ظہرین) کی نماز کا امام تک بنا دیا گیا کہ جو خاندان برصغیر پاک وہند میں سنی عقائد وافکار کے تحفظ کا ضامن وذمہ دار رہا،یعنی امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر اور مفسر قرآن مجید حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہما،ان دو بھائیوں کو بارگاہِ ایزدی سے امانت علم وعمل اور متاعِ عقل وعشق اس لیے سونپی گئی تھی کہ یہ قابل اعتبار جوڑی تھی،یہ دونوں بھائی خلوتوں میں انجمن تھے اور جلوتوں میں ایک ایسے مہتاب کہ جن کی ٹھنڈی اور میٹھی چاندنی نے بدعات کی ظلمات سے لوگوں کو نکال کر توحید وسنت کے جام کا لذت چشیدہ بنا دیا۔

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادہ ہیں۔آپ کا اصل نام ”عبدالمتین خان زاہد“ ہے۔اور ”راشدی“ کے اضافہ کی وجہ ایک اہم واقعہ ہے جو ۱۹۶۸ء میں مولانا عبیداللہ انور رحمہ اللہ کے زخمی ہونے کے بعد ہسپتال میں تیمارداری کے وقت پیش آیا تھا (یاد رہے کہ ضعف وعذر کی وجہ سے جب مولانا عبیداللہ انور رحمہ اللہ جمعیت علماء اسلام کے اجلاسوں میں بہت کم تشریف لاتے تو مولانا زاہد الراشدی صاحب اور ان کے رفقاء نے انہیں ”امام غائب“ کا لقب دے رکھا تھا،یہ بات صرف سید جواد نقوی صاحب کے ملاحظہ کے لیے درج کی گئی ہے)۔

تیمارداری کے موقع کی متذکرہ یادداشت کو مولانا راشدی صاحب یوں درج کرتے ہیں:

> ”حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمۃ اللہ علیہ جب لاٹھی چارج میں زخمی ہو کر ہسپتال پہنچے تو ہم عیادت کے لیے ان کے پاس جایا کرتے تھے۔میرے نام کے ساتھ ”راشدی“ کا اضافہ بھی اسی موقع پر ہوا۔میرا اصل نام تو محمد عبدالمتین خان زاہد ہے۔ابتداء میں جب میں نے لکھنا شروع کیا تو ”زاہد گکھڑوی“ کے نام سے لکھتا تھا۔ایک مرتبہ ہم کچھ ساتھی عیادت کے لیے حضرت کے پاس ہسپتال گئے جن میں حضرت مولانا سعید الرحمٰن علوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔حضرت فرمانے لگے کہ زاہد صاحب! یہ گکھڑوی بڑا ثقیل لفظ ہے،زور لگانا پڑتا ہے کہتے ہوئے۔کوئی سادہ لفظ ساتھ رکھیں میں نے کہا: حضرت! گکھڑ سے ہی تعلق ہے،اس لیے اپنے نام کے ساتھ استعمال کرتا ہوں۔فرمانے لگے کہ: سلسلہ کی نسبت کرو۔ہمارا سلسلہ کہلاتا ہے: عالیہ قادریہ راشدیہ،عالیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ

سے، قادریہ حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ جیلانی کے حوالہ سے اور راشدیہ حضرت شاہ محمد راشد سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے۔ تو میں نے (مولانا سعید الرحمٰن صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا کہ: علوی تو یہ بیٹھے ہوئے ہیں اور قادری بھی بہت ہیں، اب میں راشدی ہو جاؤں؟ فرمایا: ہاں ہو جاؤ، چنانچہ اس دن سے میں ''زاہد الراشدی'' ہوں اور یہ نام ایسا معروف ہوا کہ بہت سے لوگوں کو میرے اصل نام کا علم نہیں ہے۔'' [الشریعہ، اکتوبر ۲۰۱۷ء: ۱۴۰]

چنانچہ مولانا عبدالمتین خان صاحب زاہد الراشدی اور چند دیگر اہل سنت نے حسبِ دعوت اس شیعی کنونشن میں شرکت کی، اور اپنے اپنے رنگ میں ایک ایسے طبقہ اور اس کی مقتدر شخصیت کی تعریف میں رطب اللسان رہے کہ جن کا اوڑھنا بچھونا اصحابِ رسول کی کمزوریاں تلاش کر کے انہیں مطعون کرنا ہے۔ ان سنی علماء کرام میں سے دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث مکاتب سے تعلق رکھنے والے کچھ معروف اور غیر معروف چہرے شامل ہیں، تاہم مولانا زاہد الراشدی صاحب کو ایک اضافی اعزاز یہ بھی دیا گیا کہ جب نمازِ ظہر کا وقت آیا تو منتظم اجلاس جناب جواد نقوی صاحب نے باقاعدہ صف بندی کروا کر اعلان کیا کہ نماز ظہر مولانا زاہد الراشدی صاحب کی امامت میں ادا کی جائے گی۔

یاد رہے کہ اہل تشیع کے ہاں نماز پڑھانے والے کو ''پیش نماز'' کہا جاتا ہے۔ اسی سے بعض دیہی علاقوں کے اہل سنت نے اپنے ائمہ کو ''پیش امام'' کہنا شروع کر دیا۔ اہل تشیع کے ہاں بارہ ائمہ کے علاوہ کسی کو ''امام'' کہنا معیوب اور شان امامت میں تنقیص کے مترادف جانا جاتا ہے اس لیے ان کے ہاں نماز پڑھانے والے کو ''پیش نماز'' کہا جاتا ہے اور ان کی مذہبی کتب میں عام طور پر یہی اصطلاح مستعمل ہے۔

اس واقعہ کے بعد مذہبی حلقوں میں بحث وتمحیص کا ایک زوردار بلکہ شوردار طوفان کھڑا ہو گیا، اور پھر اس شور شرابہ میں گفتگو اس قدر بے ہنگم سنائی دینے لگی کہ جس سے علم کی خوشبو کم اور جانبین سے عناد و بے ادبی کا احساس زیادہ ہونے لگا اور جب ماحول اس قدر علم و ادب کی سرمست ہواؤں کے مخالف ہو جائے تو اس میں حقیقت پر مبنی بات بھی اپنا وزن کھو دیتی ہے۔ چنانچہ کاتب السطور نے بھی سوشل میڈیا پہ انگشت برداشتہ ایک مختصر سا احتجاجی مضمون درج کر ڈالا کہ جس میں بعض الفاظ سے احباب کو بوئے تلخی آنے لگی۔ حالانکہ وہ ایک ایسے دل کی بُو تھی کہ جو شدتِ صدمہ سے جل کر کباب بن چکا تھا ؎

اِک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جائے میر پر
برسوں سے جلتا تھا شاید رات جل کر مر گیا

کاتب السطور کا وہ مضمون انٹرنیٹ کی برقی لہروں نے دیکھتے ہی دیکھتے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ جس

کے بعض الفاظ کو چند فہمیدہ دوستوں نے بھی عالَم مدہوشی کا نتیجہ قرار دیا، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اب قدرے تفصیل اور ٹھنڈے دماغ کے ساتھ اس مسئلہ پر اپنی رائے پرنٹ میڈیا پر قلمبند کر دی جائے کہ شاید کوئی کسی بھی وقت اس ریکارڈ کی مدد سے مولانا زاہد الراشدی صاحب کے مذکورہ عمل کا بہ نظر انصاف تجزیہ کر سکے۔ ہمارا یہ ناقدانہ مضمون زبان وبیان کے چٹخارے کے طور پر نہیں لکھا گیا، بلکہ یہ ایک دعوتِ فکر ہے۔ ایسی دعوتِ فکر جو شیخ الاسلام حضرت علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے روشن دماغ سے لے کر امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے بے داغ کردار اور ستھرے نظریات سے سلسلہ بہ سلسلہ مربوط ہے۔

کہنے کو تو ایک شیعہ راہنما نے امامت کی دعوت دی اور ایک سنی عالم دین نے امامت قبول کر کے نماز پڑھا دی، مگر نتیجے کے اعتبار سے یہ اس قدر خطرناک فیصلہ کیا گیا کہ جس کا خمیازہ مسلمانوں کی نسلیں اُس وقت بھگتیں گی جب آج کے دور کا کوئی مستند عالم ومفتی دنیا میں نہیں رہے گا، اور دشمنانِ اسلام سے سماجی و مذہبی رشتے وروابط قائم کرنے کے لیے مولانا زاہد الراشدی صاحب کے مذکورہ طرز عمل کو بطورِ حجت وسند پیش کیا جائے گا اور پھر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور جملہ اکابرین اہل سنت تک پہنچ کر بحث کا رُخ اس جانب کو موڑا جائے گا کہ علماء دین میں اس قدر تضاد کیوں پایا جاتا تھا؟ یہ وہ وقت ہوگا، اور شاید خاکم بدہن وہ یہی وقت ہے کہ اب عوام الناس سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور وہ یہ کہنے لگے ہیں کہ علم وعمل کا تفاوت تو شخصی وبشری کمزوری سہی، مگر فتوی وعمل اور قول وکردار کا جو تضاد من حیث الجماعت دیکھنے میں آ رہا ہے یہ کہیں مادیت کے ہاتھوں روحانیت کی شکست تو نہیں؟ دنیا کی ظاہری چمک دمک نے کہیں علماء کرام کو مداہنت آشنا تو نہیں کر دیا؟ کہیں علم وتحقیق اور مسئلہ وفتوی جدید ٹیکنالوجی کے آگے مرعوب ومبہوت ہو کر تو نہیں رہ گیا؟ اور یہ سارے سوالات اب نہیں تو کل، مستقبل قریب کے کل میں اٹھائے جائیں گے۔ اور حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کے اپنے افکار ومندرجہ خیالات کے آئینے میں ان کے عملِ امامت کو ہمارے منصف مزاج قارئین بھی دیکھیں گے تو وہ بھی ضرور ایسے سوالات پر غور وخوض کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پائیں گے۔

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب نے خود اور ان کے بعض رفقاء نے اہل تشیع کے ہاں کنونشن میں شرکت کرنے اور امامت کروانے کے جواز پر جو دلائل دیے ہیں، اگر چہ وہ بجائے خود حقیقت کے ساتھ کسی درجہ میں ہم آہنگ نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی ہم ایک فریق کی رائے سمجھ کر ان کو پورا احترام دیں گے اور احترام کے ساتھ بلا کم وکاست درج کر کے ان کے تسلی بخش جوابات بھی پیش کریں گے۔ مگر اس سے قبل حضرت مولانا

زاہدالراشدی کے فتوی یا فکر ونظر اور عمل کے مابین کھلا تضاد ملاحظہ فرمالیں، تا کہ رازی کے پیچ وتاب اور رومی کے سوز وساز کا سہارا لے کر بے روح واعظین کی ہڑبونگ کا قلع قمع ہو سکے۔

اہل تشیع کا نعرہ ختم نبوت محض ایک فریب ہے:

علمی و دقیق فنی گورکھ دھندوں میں جانے کی اب ضرورت نہیں رہی اور کوئی اس چمن پُر خار میں جانے کا متحمل بھی نہیں ہے، اب کیا شیعہ اور کیا سُنی، سبھی اس راز کو پا گئے ہیں کہ صدیوں پہلے علماء اہل تشیع نے جو عقیدہ امامت وضع کیا تھا، اس کو قبول کر کے کوئی انسان ختم نبوت کے عقیدے پر قائم رہ سکتا ہی نہیں۔ جس طرح اہل سنت کے نزدیک اصول دین تین ہیں: یعنی توحید، رسالت اور قیامت، اس کے برعکس اہل تشیع میں اصول دین پانچ ہیں: توحید عدل نبوت امامت قیامت۔

اس وقت شیعوں کا مزعومہ نظریہ توحید وعدل یا قیامت ہمارا موضوع نہیں ہے۔ اس وقت ہم ''امامت'' پر غور کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد اسلام نے نظریہ خلافت دیا ہے اور اہل تشیع نے اس کے بالمقابل یعنی دین اسلام سے متصادم ''نظریہ امامت'' ایجاد کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ: امام بھی انبیاء علیہم السلام کی طرح منصوص من اللہ ہوتا ہے، امام اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر ہوتا ہے، امام پر وحی بھی آتی ہے، امام انبیاءؑ کی طرح معصوم عن الخطاء ہوتا ہے، باوضو سو جانے سے امام کا وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ قائم رہتا ہے، امام محتلم نہیں ہوتا، امام کو چھینک یا جمائی نہیں آتی وغیرہ وغیرہ۔ معروف شیعہ عالم مولانا سید بشارت حسین صاحب کامل مرزا پوری نے علامہ محمد باقر مجلسی کی کتاب ''حیات القلوب'' کا اردو ترجمہ کیا تو اس کے مقدمہ میں لکھا کہ:

> ''حیات القلوب کی تیسری جلد کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے جس میں امام کا منصوص من اللہ ہونا، معصوم عن الخطاء ہونا، بندوں پر امام کی معرفت واطاعت کا واجب ہونا، کسی زمانہ کا امام سے خالی نہ ہونا، وغیرہ وغیرہ قرآنی آیات اور احادیثِ پیغمبرؐ نیز عقلی دلائل سے اس طرح ثابت کیا گیا ہے کہ کسی کے لیے جائے دم زدن ممکن نہیں۔'' [پیش لفظ حیات القلوب: ۳/۳، مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور]

اور خود صاحب کتاب یعنی علامہ باقر مجلسی نے اپنی متذکرہ کتاب حیات القلوب جلد نمبر ۳ کی فصل سوم کا عنوان یوں قائم کیا ہے۔

> ''در بیان آنکہ امامت بنص خدا رسول میباشد نہ بہ بیعت واختیار مردم، وآنکہ واجب است بر ہر امام کہ نص کند بر امام بعد از خود بدانکہ اجماع علماء امامیہ منعقد است کہ برآنکہ امام میباید کہ از جانب خدا و رسول منصوص باشد'' [حیات القلوب فارسی: ۳/۲۱، مطبوعہ ایران]

ترجمہ: ’’اس بیان میں کہ امامت خدا اور رسول ﷺ کے نص سے ثابت ہوتی ہے۔ افراد امت کے اختیار و بیعت سے نہیں، اور یہ کہ امام پر واجب ہے کہ اپنے بعد کے امام پر نص کرے اور جاننا چاہیے کہ علمائے امامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ امام اللہ و رسول ﷺ کی جانب سے منصوص ہوتا ہے۔‘‘

منصبِ امامت مثلِ نبوت:

علامہ باقر مجلسی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’آنکہ منصب امامت نظیر نبوت است زیرا کہ ہر دو ریاستی عام است بر ہمہ مکلفین در جمیع امور دین و دنیا۔‘‘ [حیات القلوب فارسی رجلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۲۲، ایران]

ترجمہ: ’’منصب امامت عہدۂ نبوت کی طرح ہے کیونکہ یہ دونوں عہدے ریاست وحکومتِ عام کی دلیل ہیں جو جملہ مکلفین پر تمام امور دین و دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔‘‘

یاد رہے کہ علامہ باقری مجلسی کی یہ عبارت فقط ان کی شخصی رائے (تفرد وغیرہ) کے ضمن میں نہیں ہے، بلکہ یہ مذہب بیان کیا جا رہا ہے جس پر شیعہ اصول اربعہ کی سینکڑوں روایات اور بعد کے محدثین و اکابرین شیعہ کی بلا مبالغہ ہزاروں روایات موید ہیں۔

عقیدہ امامت ایجاد کرنے کے بعد اکابرین شیعہ کو اچھی خاصی آزمائش سے گذرنا پڑا ہے، کیونکہ اسی ایک اور اساسی عقیدہ کے اثبات کے لیے نظریۂ عصمت بعد از انبیاءؑ کا فلسفہ قبول کرنا پڑا، مسئلہ امامت کی خاطر کلمہ طیبہ میں تبدیلی ناگزیر قرار پائی، مسئلہ امامت ہی کی خاطر اصحاب رسول ﷺ کی تکفیر کر کے اسلامی تاریخ کے سب سے پہلے ’’تکفیری‘‘ قرار پائے۔ اس عقیدہ امامت کو ثابت کرنے کے لیے جہاں صحابہ کرامؓ پر تہمتِ نفاق دھرنا پڑی وہاں اہل بیت کو تقیہ باز بھی کہنا پڑا، حتی کہ عقیدۂ امامت ہی کی خاطر تحریف قرآن مجید کا قائل ہونا پڑا اور حتمی نتیجہ کے طور پر مسئلہ امامت کے قائلین کو ’’مومنین‘‘ اور باقی پوری امت کو ’’مسلمین‘‘ کی مخصوص اصطلاحوں میں مقید کر کے دجل و تلبیس کے ساتھ اپنے مذہب کی گاڑی کو دھکا لگانا پڑا، گویا آپ کہہ سکتے ہیں کہ عقیدہ امامت نے شیعوں کو اس قدر بے بس، بے کس اور ناکارہ و آوارہ کر کے رکھ دیا کہ اب ان کے لیے فقط دو ہی رستے بچ پائے تھے۔ یا تو وہ اس خود ساختہ نظریہ سے دستبردار ہو کر دوبارۂ چمنِ اسلام کی بہاروں میں آ جاتے اور اپنے وضع کردہ اس منصوبے کو اپنے ہاتھوں لتھڑ پتھڑ کر رکھ دیتے، مگر اس کے لیے ہمت، حوصلہ، ہدایت اور تقویٰ کی ضرورت تھی جو خیر سے اکابرین شیعہ کو کبھی چھو کر بھی نہ گذرے تھے۔

دوسرا رستہ یہ تھا کہ اس عقیدہ کو بچانے کی خاطر وہ دین اسلام کی تمام تر کلیات و جزئیات اور شعائر و قوانین کا یکسر انکار کر کے ان کی جگہ نئے نئے عقائد و افکار کو جنم دیتے، سوضدی اور غبی اکابرین شیعہ نے اس دوسرے رستہ کو ترجیح دی اور نبی اکرم ﷺ کے بعد کھلے الفاظ میں تو ختم نبوت کا انکار نہیں کیا، بالکل ایسے ہی

جیسے مرزائیوں نے بتدریج مسیح موعود، ظلی، بروزی، اور غیر تشریعی نبی کے الفاظ سے چکمے دے کر انکار ختم نبوت کیا، اہل تشیع نے بھی بارہ ائمہ کرام میں صفاتِ انبیاء تسلیم کر کے اور پھر اس غیر فطری و غیر عقلی عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے ہر وہ کام کیا جو لحظہ بہ لحظہ انہیں اسلام سے دور اور کفر کے قریب کرتا چلا گیا۔ مثلاً علماءِ شیعہ نے قرآن مجید کی آیات الٰہی کا ترجمہ وتفسیر کرتے ہوئے اور شانِ نزول کے بیان میں اپنے امامی فن اور کرتب کے ایسے ایسے مظاہرے کیے ہیں کہ جہاں ایک ایمانی حرارت رکھنے والے مسلمان کا خون کھولتا ہے وہاں کبھی کبھار بے ساختہ ہنسی بھی نکل جاتی ہے کہ اس مجبور ومقہور طبقہ نے صرف ''امامت'' کی خاطر کس قدر خود کو رزالت وخجالت کے ہاتھوں بھنبھور کر رکھ دیا ہے۔ اس کا جائزہ لینے کے لیے علماء شیعہ کی کتب کا مطالعہ کر لیجیے اور آج کی جدید دنیا نے جو انٹرنیٹ نام کی خوفناک وباء اقوام عالم پر مسلط کر رکھی ہے، اس کی مدد سے ان کے علماء و ذاکرین کی تقریریں سُن کر جائزہ لے لیجیے تو آپ بہت جلد حقیقت کی تہہ تک پہنچ جائیں گے کہ ''امامت'' اہل تشیع کے اعتقادی گلے کی ایسی ہڈی بن چکی ہے جسے نہ اُگلتے کچھ بن پاتا ہے اور نہ نگلتے!

مولانا زاہدالراشدی صاحب کا اعتراف کہ شیعوں کے حوالے سے میرا موقف اپنے والد صاحبؒ والا ہے:

چنانچہ متقدمین علماء اہل سنت کی طرح امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنی کتاب ''ارشاد الشیعہ'' لکھی تو آپ نے بھی اہل تشیع کے اسی عقیدۂ امامت کو بنیاد بنا کر شیعی عقائد ونظریات کی تردید کی اور اسے متصادم اسلام اور کھلا کفر قرار دیا۔ آپ کی اس کتاب نے روافض کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے، کیونکہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بھرپور علمی وتحقیقی اور تعلیمی وتدریسی تجربات کی روشنی میں جن جن شیعی نظریات کو آڑے ہاتھوں لے کر علماء شیعہ کی آنکھیں خیرہ کی ہیں، وہ بجائے خود ایک زبردست حق وصداقت کا ایسا شاہکار ہے کہ جس نے بلاشبہ ہزاروں لوگوں کو قعرِ مذلت میں گرتے گرتے تھاما ہے اور ضلالت وشبہات کی وادیوں میں سرگرداں لاتعداد لوگوں کی ابدی ہدایت کا جو فریضہ ''ارشاد الشیعہ'' نے سرانجام دیا ہے، شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی ان گنت نیکیوں کے باوصف یہ ایک کتاب ہی اِن شاء اللہ ان کی مغفرت ونجات کے لیے کافی ہے کیونکہ اس کتاب میں درِ دل کی انمول کیفیات کا ذخیرہ ہے اور بقول شاعر ؎

سارے بازارِ جہاں کا ہے یہی مُول اے میر
جان کو بیچ کر بھی دل کے خریدار رہو

حضرت مولانا زاہدالراشدی صاحب نے ایک ایسے مرکز میں جا کر تقریر وامامت کی ہے کہ جس کے کار پردازان اپنے بنیادی شیعہ عقیدۂ امامت کے قائل ہیں اور اس سلسلہ میں ان کی زبان وبیان پہلوں سے کوئی

مختلف نہیں ہے۔صرف انداز اور وقتی پالیسی ایسی ہوتی ہے کہ جس سے ہمارے بعض جہاندیدہ حضرات بھی خوش فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر اکابرین اہل سنت کی طرح شیعوں کے عقیدہ امامت کو ان کے مخالفِ دینِ اسلام ہونے کے اسباب میں سے ایک اہم سبب قرار دیا ہے، جب کہ مولانا زاہدالراشدی صاحب اپنے والد صاحب قبلہ کی ''ارشادالشیعہ'' کے تمام تر مندرجات وآراء سے حرف بہ حرف متفق ہیں اور ہمارا یہ کہنا محض جذباتی یا خدانخواستہ مذموم مقاصد کے لیے نہیں ہے، خود مولانا راشدی صاحب نے اس کا اعتراف فرمایا ہے، چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

''ایک موقع پر بعض دوستوں نے یہ سوال کیا ہے کہ ہمارے والد محترم امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کا موقف اور طرز عمل کیا تھا؟ خصوصاً اس پسِ منظر میں کہ انہوں نے اثناعشری اہل تشیع کی تکفیر پر ''ارشادالشیعہ'' کے نام سے کتاب بھی لکھی ہے۔ میں نے گزارش کی کہ انہوں نے ''ارشادالشیعہ'' تصنیف فرمائی اور اس میں انہوں نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ صرف ان کا موقف نہیں بلکہ یہ تو اہل سنت کا موقف ہے اور خود ہمارا موقف بھی اثناعشری اہل تشیع کی حد تک یہی ہے۔'' [ماہنامہ الشریعہ، مارچ ۲۰۱۱ء]

اب ہر خاص وعام مولانا راشدی صاحب کے مندرجہ بالا الفاظ پر غور کرکے کبوتروں کی طرح غوں غوں کرتا ہی رہ جائے گا کہ جامعہ عروۃ الوثقیٰ والے اور پاکستان سمیت دنیا کی بیشتر شیعی آبادی اثناعشریوں کی ہے، جی ہاں! وہی اثناعشری جن کی تکفیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور وہی مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کہ جن کا موقف عین مذہب اہل سنت ہے، اور وہی مذہب اہل سنت کہ جس کی تائید مولانا زاہدالراشدی صاحب بھی کررہے ہیں۔تو کیا انہوں نے جواد نقوی صاحب کی دعوت اُن کو غیر مسلم جان کر قبول کی؟ اور پھر اُن کے ادارہ میں جو آپ کو مُصلی امامت دیا گیا تو کیا آپ غیر مسلموں کی امامت فرما رہے تھے؟

فائرنگ اور امام اہل سنت رحمہ اللہ کا کندھا:

پھر مولانا زاہدالراشدی صاحب نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا تھا کہ:

''دوستوں سے گزارش ہے کہ وہ اپنی بات اپنی ذمہ داری پر کریں اور اپنی فائرنگ کے لیے حضرت امام اہل سنتؒ کا کندھا استعمال کرنے سے گریز کریں۔'' [ماہنامہ ''الشریعہ، جون ۲۰۱۳ء، ص: ۳۲۰]

مولانا زاہدالراشدی صاحب نے مذکورہ گزارش اپنے دوستوں سے کی ہے، اور ظاہر ہے کہ ہم تو ان کے دوستوں میں شامل نہیں ہیں بلکہ خدام اور ادب کرنے والوں میں سے ہیں اس لیے ہم نے اپنی

فائرنگ کے لیے خود مولانا زاہدالراشدی صاحب ہی کے کندھوں کا انتخاب کیا ہے۔ ہم یہاں نہایت احترام کے ساتھ لکھنے کی جسارت کریں گے کہ آپ اپنے دل اور من کا چاہا جہاں چاہیں اور جب چاہئیں اُگل دیں، اور پھر اُسے آزادیٔ اظہار کا خوشنما نام دے ڈالیں، خواہ وہ اظہارِ خیال جناب جاوید احمد صاحب غامدی کی فکرِ مُردہ اور تنِ مُردہ کو چابک مار مار کر زندہ کرنے کی غیر فطری کوشش پر ہی مبنی کیوں نہ ہو، اور خواہ آپ کے زیرِ سایۂ اظہارِ خیالات مسجد اقصیٰ کی تولیت یہود کے سپرد کرنے کے خواہاں کیوں نہ ہوں، اور پھر آپ کی مُساعی انہی لوگوں کی امامت پر جا کر منتج کیوں نہ ہوتی ہوں کہ جن کی تکفیر اپنے والد گرامیؒ اور متقدمین اہل سنت کے فتویٰ کی تائید میں آپ خود بھی کر چکے ہوں، مگر اس کے ردعمل میں جب آپ کے قول اور عمل کے تضاد پر دائرہ اخلاق میں رہتے ہوئے کوئی دوسرا مودبانہ احتجاج کرتا ہے تو وہ ''فائرنگ'' کیوں کہلاتا ہے؟ اور امام اہل سنتؒ کا فکری وعلمی سرمایہ ''کندھا'' کیوں بن جاتا ہے؟ جب کہ پسِ نوشت میں دی جانے والی عبارت سمیت ماضی میں کئی موقعوں پر آپ حضرات اہل تشیع کی تکفیر خود کر چکے ہیں۔ اور اہل سنت واہل تشیع کے عقائد میں واضح فرق کے حوالہ سے مضمون قلمبند کر چکے ہیں مثلاً ایک مرتبہ مندرجہ ذیل سطور ماہ نامہ ''الشریعہ'' کی زینت بنی تھیں۔

> ''شیعہ، سُنی کشمکش کی تاریخ بہت پُرانی ہے جس کا آغاز پہلی صدی ہجری کے اختتام سے قبل ابتدائی شکل میں ہو گیا تھا اور رفتہ رفتہ اس نے ملت اسلامیہ میں عقائد ونظریات کے لحاظ سے دو واضح متحارب گروہوں کی صورت اختیار کر لی، قارئین کی معلومات کے لیے دونوں گروہوں کے اعتقادات میں چند بنیادی فرق واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔''

☆......اہل سنت کے نزدیک موجودہ قرآن کریم ہی اصلی اور مکمل قرآن کریم ہے جو جناب نبی اکرم ﷺ اور ان کے خلفاءِ راشدینؓ نے مرتب شکل میں اُمت کو دیا تھا اس میں کسی قسم کا کوئی ردّ وبدل نہیں ہوا۔ اہل تشیع کے نزدیک یہ قرآن کریم مکمل نہیں ہے بلکہ ان کے بقول اس میں ردّ وبدل ہوا ہے جب کہ اصل قرآن کریم امام غائب کے پاس ہے جو اپنے وقت پر اسے لے کر ظاہر ہوں گے۔ اس وقت تک مصلحتاً موجودہ قرآن کریم کو ہی بطور قرآن پڑھنا اور پیش کرنا بامر مجبوری درست ہے۔

☆......اہل سنت کے نزدیک جناب نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کا ساتھ دینے والے سب لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان میں مہاجرین، انصار اور اہل بیت سمیت تمام طبقات شامل ہیں۔ یہ سب لوگ اہل ایمان ہیں، سب کے ساتھ عقیدت ومحبت رکھنا ضروری ہے اور سب کے سب ہدایت کا ذریعہ اور معیار ہیں۔ جب کہ اہل تشیع کے نزدیک اہل بیتؓ کے سوا باقی لوگ لائق اعتبار نہیں ہیں بلکہ انہیں اہل ایمان میں شامل کرنا بھی درست نہیں ہے اور اہل بیتؓ سے مراد بھی جناب نبی اکرم ﷺ کے خاندان

اور کنبہ کے سب افراد نہیں بلکہ صرف حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ کی دیگر ازواج مطہرات اور اولاد اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت میں شامل نہیں ہے۔

☆......اہل سنت کے نزدیک قرآن کریم کے بعد سنت رسول دین کا دوسرا بڑا ماخذ اور سرچشمہ ہے اور سنت سے مراد وہ تمام روایات واحادیث ہیں جو صحابہ کرامؓ کے کسی بھی فرد سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہیں جب کہ اہل تشیع بھی سنت رسول کو دین کا ماخذ مانتے ہیں مگر ان کے نزدیک حدیث وسنت صرف وہی ہے جو اہل بیتؓ سے منقول ہے (اگرچہ اہل بیت کی طرف منسوب ہونے والا بیشتر ذخیرہ شیعیت کا گھڑنتو ہے۔ [سلفی]) اور ان کے علاوہ مہاجرین، انصار، ازواج مطہرات اور دیگر صحابہ کرامؓ سے منقول روایات اہل تشیع کے نزدیک سنت میں شامل نہیں ہیں۔

☆......اہل سنت کے نزدیک جناب نبی اکرم ﷺ کے بعد چونکہ وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ اس لیے کوئی شخصیت رسول اللہ ﷺ کے بعد ایسی نہیں ہے جس کی رائے میں خطاء کا احتمال نہ ہو اور کسی دلیل اور بنیاد کے بغیر اس کی بات بہرصورت واجب العمل ہو، جب کہ اہل تشیع کے نزدیک اہل بیتؓ کے ۱۲/امام معصوم عن الخطاء ہیں اور ان کی رائے اور قول کو وہی حیثیت حاصل ہے جو پیغمبر کی وحی کو حاصل ہوتی ہے۔

☆......اہل سنت کے نزدیک خلفاء راشدین کی واقعاتی ترتیب ہی اصلی اور جائز ترتیب ہے۔ یعنی پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ، دوسرے حضرت عمرؓ، تیسرے حضرت عثمانؓ اور چوتھے حضرت علیؓ ہیں اور ان کے درمیان فضیلت ورتبہ کی ترتیب بھی یہی ہے، جب کہ اہل تشیع کے نزدیک جناب نبی اکرم ﷺ کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا جو انہیں نہیں دیا گیا، اس لیے پہلے تین خلفاء کی خلافت جائز نہیں ہے بلکہ ان کی حیثیت غاصبین اور ظالمین کی ہے۔ چنانچہ ان واضح اور بنیادی اختلافات کے ہوتے ہوئے دونوں میں سے کسی کے لیے بھی دوسرے فریق کو بطور مسلمان قبول کرنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی حد تک تعلقات اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان صدیوں سے قائم چلے آرہے ہیں۔'' [سنی، شیعہ کشمکش/ماہنامہ ''الشریعہ''/دسمبر ۱۹۹۴ء، گوجرانوالہ]

مولانا زاہدالراشدی صاحب نے اپنا یہ مضمون اُن حالات میں لکھا تھا جب سپاہ صحابہؓ کی متشددانہ جماعتی پالیسی اور روافض کی تبرابازیوں کے تصادم میں کئی بے گناہ لوگوں کا بھی قتلِ عام ہو رہا تھا۔ اس مضمون میں مولانا راشدی صاحب نے خون خرابے کی پالیسیوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے شیعہ، سنی اصولی اختلافات کو بہرحال تسلیم کیا اور لازمی بات ہے کہ انہوں نے شیعوں کے جو عقائد درج کیے ان میں سے کوئی عقیدہ مولانا زاہدالراشدی صاحب کا نہیں ہے اور جو عقائد اہل سنت کے درج کیے ان میں سے کوئی عقیدہ **جامعہ عروۃ الوثقٰی** کے میزبان ومنتظم جواد نقوی صاحب کا نہیں ہے تو بقول مولانا زاہدالراشدی

صاحب ''ان دو متحارب عقائد کی رُو سے کوئی فریق دوسرے کو مسلمان ماننے کے لیے تیار نہیں۔'' تو نتیجہ خود بخود نکل آیا کہ مولانا زاہدالراشدی صاحب اور جناب جوادی نقوی اور ان کی پوری شیعی ٹیم میں سے کوئی ایک دوسرے کو مسلمان ماننے کے لیے تیار نہیں ہے تو پھر اس قدر مذہبی تفاوت و تحارب کے ہوتے ہوئے ان کے کنونشن میں جا کر ''ختم نبوت'' کے موضوع پر خطاب کرنا خود اپنے ہاتھوں اپنا گلشن ویران کر دینے کے مترادف ہے اور پھر اُن کی امامت قبول کرنا کو یک قلم اس تسلسل کو منقطع کر دیتا ہے جو حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اسلاف اہل سنت سے اپنی تحریر و تقریر میں جوڑتے چلے آنے کے مدعی رہے ہیں۔

جہاں تک تعلق ہے اختلافات کے باوجود فریقین کی برداشت کا، تو پھر ہمارا طالب علمانہ سوال ہوگا کہ روافض کی تکفیر کرنے کے باوجود ان کے ادارہ میں جا کر امامت کروانا کیا زمرۂ برداشت میں آتا ہے یا مداہنت میں؟ گستاخانِ صحابہ کرام اور عفیفۂ کائنات سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق جن کے سینوں میں نفرتوں کے لاوے اُبل رہے ہیں اور بُغض و تبرا کے آتش فشاں دہک رہے ہیں، ان کے ساتھ مسکراہٹوں کا تبادلہ کر کے بغلگیر ہونا، ان کے دسترخوان سے متمتع ہونا اور پھر ان کی امامت کو قبول کرنا تملّق و تعلقِ قلبی میں آتا ہے یا برداشت میں؟ اس کا جواب تو بہت آسان اور سادہ سا ہے، مگر ہم یہاں اس لیے نہیں دے رہے کہ کہیں خلافِ تعظیم کلمہ سرزد نہ ہو جائے۔ اس لیے اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی خود مولانا زاہد الراشدی صاحب ہی فرما دیں تو بھلا ہوگا، تاہم جواد نقوی صاحب تو یہاں بھی محفوظ رستہ رکھتے ہیں، یعنی اگر کوئی ان کا ہم مذہب و فکر ایسا گلہ کرے گا تو وہ تُرت جواب دیں گے ؎

تقیّہ ہم نے کیا ہمیں ثواب ملا

لادینوں کی صحبت نے مولانا دین پُوری کے نظریات تبدیل کر دیئے۔ مولانا زاہدالراشدی

ہم چونکہ اس قابل نہیں ہیں کہ اپنی فائرنگ کے لیے امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا کندھا استعمال کریں، البتہ مولانا زاہدالراشدی صاحب کی فراخیٔ قلب و نظر نے ہمیں اس قدر بیباک کر دیا ہے کہ ایک بار پھر فائرنگ کے لیے اپنا قلمکوف اُن کے کاندھے پر رکھنے جا رہے ہیں۔ یہ ۱۹۸۵ء کے زمانہ کی بات ہے کہ جمعیت علماء اسلام میں گروہ بندی اور جماعتی اختلافات اپنے عروج پر تھے۔ تب مولانا زاہد الراشدی صاحب حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے دھڑے میں سیکرٹری اطلاعات کے عہدے پر فائز تھے اور اُن دنوں حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے کندھے استعمال کرتے ہوئے فائرنگ کر رہے تھے جس کی زد میں زیادہ تر تو قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن صاحب آئے، تاہم کبھی کبھار دیگر بزرگ بھی نشانے پر آ جاتے تھے۔ چنانچہ

مولانا سراج احمد دین پوریؒ نے شاید کسی اخباری انٹرویو میں تحریک نظام مصطفیٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ: کچھ مفاد پرستوں نے محض بھٹو صاحب کو پھانسی دلوانے کے لیے مذہبی کارڈ کھیلا ہے۔ کیونکہ مولانا دین پوریؒ پیپلز پارٹی کے متعلق نرم گوشہ رکھتے تھے اور ویسے بھی اس دور میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب ضیاء الحق کی آمریت کا ایم آر ڈی کے پلیٹ فارم سے مقابلہ کر رہے تھے اور ایم آر ڈی تحریک کی قیادت مولانا سراج احمد دین پوری کر رہے تھے[1]۔ مولانا دین پوریؒ کے اس بیان پر حضرت مولانا زاہد الرشدی صاحب نے یوں تبصرہ فرمایا تھا:

> ''اہل حق کے مشن سے منحرف ہونے والے حق کے ترجمان نہیں ہو سکتے، جمعیت علماء اسلام کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات مولانا زاہد الراشدی نے کہا ہے کہ میرا دل نہیں مانتا کہ مولانا دین پوری نے ایسی باتیں کہی ہوں گی کیونکہ وہ ایک ممتاز عالم دین ہیں اور عظیم روحانی سلسلہ کے پیشوا ہیں لیکن اگر خدانخواستہ انہوں نے یہ سب کچھ کہا ہے تو اس پر انتہائی صدمہ کے ساتھ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ''ہر کہ درکانِ نمک رفت نمک باشد'' کے مصداق لادین سیاستدانوں کی رفاقت وصحبت نے ان کے خیالات و نظریات تبدیل کر دیئے ہیں۔''

[ترجمانِ اسلام/ ہفت روزہ، ۱۸/ اکتوبر ۱۹۸۵ء بمطابق ۲ صفر المظفر ۱۴۰۶ھ]

باہمی مسلک اور اشتراکِ فکر ونظر کے باوجود محض جماعتی تفریق کی بناء پر اس وقت حضرت مولانا زاہد الراشدی کو مولانا سراج احمدؒ دین پوری کے اخباری بیان پر صدمہ ہوا تھا، اُس سے ہزار گنا بڑھ کر صدماتی کیفیت آج امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ سے محبت وعقیدت رکھنے والوں پر طاری ہے کہ ان کے صاحبزادہ ایسے لوگوں کے کنونشن میں شریک ہوئے جو منہ بھر بھر کر اصحاب نبی کو گالیاں دیتے ہیں اور گالیاں بکنا اپنا مذہبی حق وشعار سمجھتے ہیں۔ ازواجِ مطہرات کی جناب میں اس قدر مغلظات ان کے مذہبی لٹریچر میں موجود ہیں کہ ایک گیا گزرا اور بے عمل مسلمان بھی پڑھ کر کانپ جاتا ہے کہ کیا کوئی مسلمان کہلوانے والا امام الانبیاء ﷺ کی عزتوں پر بھی اتنی جرأت کے ساتھ لب کشائی یا قلم کشائی کر سکتا ہے؟ وہ پاکیزہ مائیں کہ جن کی عزت وعصمت کی شان میں قرآن مجید کی سطریں موتیوں کی طرح چمک رہی ہیں، جن کے سروں کے ایک بال سے لگنے والی چادر نچوڑ دی جائے تو جبرئیلؑ وضو کرے۔ جن کی پاکدامنی کا یہ حال ہے کہ سیدین حسنین کریمینؓ باوجود بیٹے (نواسے) ہونے کے نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے تھے کہ شرعی گنجائش واجازت

[1] مولانا سراج احمد دینپوریؒ ۹۴ برس کی عمر میں مورخہ ۲۶ نومبر ۲۰۱۴ء کو فوت ہوئے۔ بے شمار روحانی نسبتوں کے حامل تھے اور کئی ایک خوبیوں سے مالا مال تھے، جمعیت علماءِ اسلام کے مرکزی قائدین میں شمار تھا، ان کی حیات وخدمات اور سیاسی تدبر وفراست کے لیے مستقل مضمون کی ضرورت ہے، لہٰذا فی الوقت انہی سطور پر ہی اکتفاء کیا جاتا ہے۔ سلفی

کے باوجود اپنے نانا ﷺ کی آبروؤں پر نگاہ اٹھانے کی ضمیر اجازت نہیں دیتا۔[سیر اعلام النبلاء للذہبیؒ : ۲۶۵/۳][سیدنا حسینؓ بن علیؓ، شخصیته، و عصره/ دکتور علی محمد، محمد الصلابی/ر]۔ایسی مقدس مخدرات کی تنقیصِ شان کرنے والوں کی طرف دوستی والفت کا ہاتھ بڑھانا کہیں ''ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک باشد'' کے مصداق کسی اجنبی رفاقت وصحبت کا پتہ تو نہیں دے رہا؟ حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کے تعمیلِ حکم میں ہم اس فائرنگ کے لیے امام اہل سنتؒ کے کندھے استعمال کرنے سے گریز کر رہے ہیں اور صرف حضرت مولانا ہی کے بیانات سے روشنی لے کر اپنی معروضات پیش کر رہے ہیں۔

اُنہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُن کی
اُنہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات اُن کی

متذکرہ شعر گذشتہ چار دہائیوں میں اس قدر زیادہ استعمال ہوا ہے کہ اب اس میں مزید استعمال ہونے کی ہمت باقی نہیں رہی، تاہم اس موقع پر ہمیں فی الوقت اپنے قلم کو سانس دینے کے لیے اس سے بہتر سہارا نہ مل سکا، جس کے لیے ہم اپنے باذوق قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔

مولانا زاہد الراشدی صاحب کا دورۂ ایران اور تاثرات ومشاہدات:

۱۹۸۷ء کے ماہ جنوری میں یکم تا بارہ مولانا زاہد الراشدی صاحب اور مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے ایران کے مختلف شہروں کا دورہ کیا تھا اور واپسی پر ایک مفصل روداد قلمبند کر کے مختلف رسائل وجرائد کو ارسال کی تھی۔ یاد پڑتا ہے کہ اس روداد میں سے بہت سارا حصہ حذف کر کے مختصراً ہفت روزہ ''زندگی'' نے اسے شائع کر دیا تھا، اس کے علاوہ یہ روداد کہاں کہاں شائع ہوئی تھی؟ یہ بندہ کے علم میں نہیں ہے۔ البتہ خود مولانا زاہد الراشدی صاحب کے قلم سے لکھا ہوا یہ مکمل مسودہ بندہ کے پاس محفوظ ہے، جو ''مرکزی دفتر جمعیت علماء اسلام، چوک رنگ محل لاہور'' کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے۔اس کے شروع میں الگ صفحہ پر ایک خط بھی ہے جس پر ''ابوعمار زاہد الراشدی، ڈپٹی سیکرٹری جنرل جمعیت علماء اسلام پاکستان'' کی مُہر ثبت ہے۔ اس خط کا متن مندرجہ ذیل ہے:

''محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گذارش ہے کہ ایران میں اہل سنت کو درپیش مسائل ومشکلات کے بارہ میں اپنے حالیہ دورۂ ایران کے مشاہدات کی بنیاد پر ایک رپورٹ ارسالِ خدمت ہے۔ ازراہِ کرم اس کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اپنے شخصی اور جماعتی اثر ورسوخ کے ذریعہ ایران کے اہل سنت کے پامال ہوتے ہوئے حقوق ومفادات کے سلسلہ میں مؤثر طور پر آواز بلند کرنے کی کوشش فرمائیں۔''[مرقومہ، ۲۵/جنوری ۱۹۸۷ء]

اس مفصل روداد کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں تا کہ اس کی روشنی میں موجودہ تغافل وتساہل کا جائزہ

لیا جا سکے۔ مولانا زاہدالراشدی لکھتے ہیں:

......''مجھے پاکستانی علماء اور دانش وروں کے ایک پندرہ رکنی وفد کے ہمراہ یکم جنوری ۱۹۸۷ء سے بارہ جنوری ۱۹۸۷ء تک ایران کے مختلف علاقوں کے دورہ کا موقع ملا وفد میں میرے علاوہ مولانا منظور احمد چنیوٹی ممبر پنجاب اسمبلی، اسد اللہ بھٹہ ایڈووکیٹ، سکھر، مولانا حافظ حسین احمد، کوئٹہ، ڈاکٹر عبدالواسع لورالائی (وغیرہ وغیرہ) شامل تھے۔ ایران میں ہمارا میزبان حکومت ایران کا ادارہ ''سازمان تبلیغات اسلامی'' تھا جس کے بیرونی امور کے ڈائریکٹر جناب محمد علی تسخیری اوران کے رفقاء جناب مقصود علی رضوی اور جناب خادم حسین نے میزبانی کے امور کو حسن وخوبی کے ساتھ سرانجام دیا۔ ہمیں ایران میں زاہدان، تہران، مشہد اور قم میں جانے کا اتفاق ہوا اور ایران کی انقلابی حکومت کے مقتدر رہنماؤں سے ملاقات اور گفت وشنید کے مواقع بھی میسر آئے۔ ہمارے دورۂ ایران کے مقاصد میں انقلابِ ایران کے فکری پسِ منظر کا جائزہ لینا، ایرانی معاشرہ میں انقلاب سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا مشاہدہ کرنا، انقلابی جدوجہد کے طریق کار کو سمجھنا اور ایران میں اہل سنت کے حالات اور ان کے حقوق ومفادات کے سلسلہ میں تازہ ترین صورت حال کو معلوم کرنا تھا۔ زیرنظر مضمون میں مذکورہ مقاصد کے آخری حصہ یعنی ایرانی اہل سنت کے احوال وحقوق کے سلسلہ میں اپنے تاثرات واحساسات کو قلمبند کرنے اور ریکارڈ میں لانے کی کوشش کر رہا ہوں، ضروری نہیں کہ ہمارے وفد کے سارے ارکان کے احساسات وتاثرات یہی ہوں مگر ان احساسات وتاثرات کی بنیاد جن واقعات پر ہے، ان کے مشاہدہ میں سب حضرات شریک رہے ہیں۔

......جس روزہ ہمیں قومی اسمبلی کی کارروائی دیکھنے کا موقع فراہم کیا گیا، اسی روز قومی اسمبلی کے ایک کمیٹی روم میں اسمبلی کے آٹھ اہل سنت ارکان کے ساتھ ہماری ایک نشست رکھی گئی، ہمیں بتایا گیا کہ قومی اسمبلی کے دوسوستر ارکان میں چودہ ممبران اہل سنت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایرانی بلوچستان سے دو منتخب رکن مولانا محمد اسحٰق مدنی اور مولانا محمد حامد اور کردستان سے منتخب رکن اسمبلی جناب حسینی صاحب ان سنی ارکان اسمبلی کے گروپ کی قیادت کر رہے تھے۔ ایک بات ہمیں کھٹکی کہ مولانا محمد حامد اور مولانا محمد اسحاق مدنی نے اردو سے واقفیت کے باوجود ہمارے ساتھ براہ راست گفتگو سے گریز کیا اور ان کی طرف سے فارسی میں ہی گفتگو کرنے پر اصرار سے ہمیں یہ محسوس ہوا کہ وہ اس گفتگو کے سلسلہ میں گرد وپیش حضرات سے بے نیاز ہونے کو مصلحت کے خلاف سمجھ رہے ہیں، اس کے علاوہ اہل سنت کے علماء یا دیگر طبقوں کے ساتھ ہمارا رابطہ میزبانوں کے پروگرام میں شامل نہیں تھا بلکہ بعض مواقع پر یہ تاثر مل رہا تھا کہ یہ رابطہ انہیں پسند نہیں ہے۔

......دارالعلوم زاہدان میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد اور مولانا

منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ طالب علمی کے ایک دوست مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ ہماری ملاقات طے ہوئی تو ایک نئی صورت حال پیش آئی کہ ہمارے میزبانوں نے مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کے دو رفقاء کو ہمارے کمرہ تک جانے کی اجازت نہ دی بلکہ مجھے ان کے ساتھ مہمان خانہ کے ٹی وی لاؤنج میں بالکل اس طرح تین چار نگران افراد کی موجودگی میں کم وبیش ایک گھنٹہ تک گفتگو کرنا پڑی جیسے جیل میں کسی رہنما کے ساتھ جیل کے عملہ کی موجودگی میں ملاقات کی جاتی ہے۔

......ایران کے دو صوبوں، بلوچستان اور کردستان میں اہل سنت کی اکثریت ہے، مگر ملک کا طرز حکومت وحدانی ہے اور صوبائی حکومتوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ صرف گورنر ہوتے ہیں جو مرکز کے نمائندے ہیں۔ اس وجہ سے دو صوبوں میں اہل سنت کی اکثریت کا کوئی سیاسی وزن نہیں ہے۔ ہاں اگر صوبوں کی سطح پر حکومتوں کا وجود قائم ہوتا تو بلوچستان اور کردستان کی صوبائی سُنی حکومتیں قومی سطح پر اہل تشیع اور اہل سنت کے درمیان ایک باوقار توازن قائم کر سکتی تھیں۔ اعلیٰ سطح کی ملازمتوں میں اہل سنت کا تناسب بالکل نہ ہونے کے برابر ہے، حتیٰ کہ سنی اکثریت کے صوبوں میں بھی تمام اعلیٰ عہدے ایسے افراد کے پاس ہیں جو نہ سنی ہیں اور نہ ہی وہاں کے لوکل افراد ہیں، بالخصوص بلوچستان میں تمام اعلیٰ عہدوں پر غیر سُنی اور نان لوکل افراد کی موجودگی مقامی آبادی میں احساس محرومی کو جنم دے رہی ہے۔

......ایران کے دستور میں تمام طبقوں کو تنظیم سازی کا حق دیا گیا ہے مگر اہل سنت ابھی تک اس حق سے عملاً محروم ہیں۔ چار سال قبل کردستان کے ایک سنی رہنما احمد مفتی زادہ نے اہل سنت کی تنظیم قائم کرنے کی طرف پیش رفت کی تھی اور تنظیم کا ابتدائی ڈھانچہ بنایا مگر اس کے فوراً بعد انہیں گرفتار کر لیا گیا اور وہ ابھی تک زیر حراست ہیں۔ سراوان کے صوفی دوست محمد اہل سنت کے حقوق کے سلسلہ میں آواز اٹھانے کی پاداش میں ایک سال سے جیل میں ہیں اور اس وقت بیمار بھی ہیں، سرخس کے مولانا محی الدین صاحب اسی نوعیت کے الزام میں ایک سال جیل بھگت چکے ہیں اور اب انہیں سات سال کے لیے جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ ایرانی شہر سے قومی اسمبلی کے سابق رکن مولانا نذر محمد بھی کچھ عرصہ سے زیر حراست ہیں اور ان کا قصور یہ سامنے آیا ہے کہ ایرانی ریڈیو پر کی گئی ایک تقریر میں ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور جنگ جمل میں ان کا ساتھ دینے والوں کو آئمۃ الکفر قرار دینے پر انہوں نے احتجاج کیا تھا اور اس تقریر کی مذمت کی تھی۔ اہل سنت کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے اُس اعلیٰ پیمانے پر تعلیمی نظام موجود نہیں ہے جو ایران کی اکثریتی آبادی کو میسر ہے، اس لیے سنی طلبہ پاکستان کے دینی مدارس تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں مگر انہیں پاسپورٹ کی سہولت میسر نہیں ہے اور جو طلبہ چوری چھپے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ واپسی پر گرفتار کر لیے جاتے ہیں۔

جب کہ اس کے برعکس قُم کے مدارس میں پاکستان کے ایک ہزار شیعہ طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔

......ایک سرکردہ شخصیت نے بڑے دکھ کے ساتھ اس شکوہ کا اظہار بھی کیا ہے کہ شیعہ سُنی مشترکہ اجتماعات میں مقتدر شیعہ حضرات کی طرف سے اہل سنت کے عقائد و جذبات کے خلاف کُھلم کُھلا باتیں کی جاتی ہیں، اس بزرگ شخصیت کا یہ بھی کہنا تھا کہ ہم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں مگر اپنے اکابر اور بزرگوں کی توہین کو آخر کیسے برداشت کریں؟ یہ ہم سے نہیں ہوسکتا، اس سے تو موت اچھی ہے۔

......جن سُنی ملازمین کے بارے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل سنت کے حقوق و مفادات کا شعور رکھتے ہیں ان کا تبادلہ ایسی جگہ کر دیا جاتا ہے جہاں وہ نہ جاسکیں اور اس طرح اُن سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے۔ خود مولانا عبدالعزیز کے بھائی جناب عبدالحکیم بھی اسی قسم کے سلوک کا شکار ہو چکے ہیں۔

[روداد ملخص سفرِ ایران، جنوری ۱۹۸۷ء، قلمی]

یہ شیعہ طبقہ کی جانب سے وہ مظالم ہیں، جن کی داستان مولانا زاہد الراشدی صاحب بہ قلمِ خود درج فرما چکے ہیں اور اپنے احساسات و مشاہدات کے زور پر دوسروں کو متوجہ فرما رہے ہیں کہ وہ ایرانی اہل سنت کے حقوق کے تحفظ کے لیے اپنی اپنی سطح پر موثر آواز اٹھائیں، سوال یہ ہے کہ کیا آج شیعہ لوگ دودھ سے دُھل گئے ہیں؟ مقدسات کی توہین و تنقیص میں تو روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ سوشل میڈیا کا اور کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو، اس قدر ضرور ہے کہ اب شیعہ علماء تقیہ کا لامحدود استعمال نہیں کر سکتے، کیونکہ پہلے کتابوں میں مغلظات ہوتی تھیں جن تک عوام تو کیا بڑے بڑے علماء کی بھی اپنی دیگر خدماتِ دینیہ کی وجہ سے رسائی ممکن نہیں تھی بلکہ چند سال قبل کی ایک یادداشت پردۂ دماغ پہ نمودار ہوگئی ہے وہ یہ کہ حضرت مولانا ابوالفضل قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کی کم وبیش سوا سو سال پہلے کی ایک کتاب ہم نے ادارہ مظہر التحقیق لاہور کی جانب سے ۲۰۱۳ء میں ازسرِ نو طبع کروائی تھی جس کا نام **"السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسول"** ہے، اس پر کاتب السطور نے حواشی اور مختصر سا دیباچہ لکھا تھا جس میں معروف شیعہ عالم مولانا محمد حسین صاحب ڈھکو کی ایک شانِ صحابہ کرام میں گستاخانہ عبارت کا حوالہ درج کیا گیا ہے۔ جب یہ کتاب مولانا زاہد الراشدی صاحب کو پیش کی گئی اور ابتدائی صفحات پر ان کی نظر محولہ عبارت پر پڑی تو نہایت متحیر ہو کر فرمایا کہ کیا ڈھکو صاحب بھی یہ زبان استعمال کرتے ہیں؟ بڑے تعجب کی بات ہے، میں تو سمجھتا تھا کہ یہ کوئی معقول انسان ہے۔ تب کاتب السطور نے عرض کی تھی کہ: امام اہل سنت حضرت مولانا علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ......آہ

زبان پر بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کے لیے

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شیعہ عالم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین نہیں کرتا، اس کی شیعیت مشکوک ہے۔ اور امام شعبیؒ کا یہ قول تو مشہور زمانہ ہے کہ اگر یہود و نصاریٰ سے پوچھا جائے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی امت کے بہترین لوگ کون تھے؟ تو وہ جواب دیں گے حضرت موسیٰؑ کے متبعین اور حضرت عیسیٰؑ کے حواری، جب کہ روافض سے اگر پوچھا جائے کہ تمہارے نبی ﷺ کی امت کے اشرار یعنی بدترین لوگ کون ہیں؟ تو یہ جواب دیں گے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم! اعاذنا اللہ منہ۔

اور آج انٹرنیٹ پر آپ صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ ہندوستان، ایران، یورپ اور عرب کے تمام ممالک کی شیعی مجالس میں علماء امامیہ کی تقریریں سُن لیں، ایک سے بڑھ کر ایک تبرا کرتا نظر آئے گا۔ تو حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب نے جو نکات شیعی جارحیت کے حوالہ سے اپنے سفرِ ایران کی روداد میں اٹھائے تھے، آج ۳۳ برس کے بعد ان میں کمی کا آنا تو بالکل ہی مضحکہ خیز اور شیعہ مزاج کے برعکس ہے، بلکہ اس قدر اضافہ ہو چکا ہے کہ اب اہل حق کو بھی اہل تشیع کا گند، گند محسوس نہیں ہوتا، کیونکہ انسان کسی بھی ماحول میں اگر مسلسل تغافل کا مظاہرہ کرتا چلا جائے تو قدرت کی جانب سے ایک غیبی تازیانہ اس صورت میں بھی برستا ہے کہ مذہبی و قومی اور دینی غیرت کا فقدان ہو جاتا ہے۔ اور ایک وقت آتا ہے کہ مذہبی حریف کی چالاکیاں، عیاریاں اور شاطرانہ پالیسیاں زیادہ معیوب نہیں لگتیں اور ''وحدتِ امت'' کے لیبل سے دشمن کیل کانٹے سمیت حملہ آور ہو چکا ہوتا ہے جب کہ مقابلہ میں ہمارے پاس توپ و تفنگ تو کیا، فقط نعرۂ حق بلند کرنے کی سکت بھی باقی نہیں رہتی۔ اس لیے علماء حق اگر مرجع خلائق بننے کے چاؤ میں ہرا یرے غیرے کو اپنی شان و شوکت کی بجائے اس کے گھر جا کر اس کے خیالات کو فوقیت بخشیں گے تو عوام کے عقائد و اعمال کی اصلاح کیا سیاستدان آ کر کریں گے؟

مکتوب مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ بنام قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ:

جن دنوں ''ملی یکجہتی کونسل'' کے نام سے پاکستان میں شیعہ و سنی نفرتوں کا لاوا کم کرنے کی غیر موثر اور بے نتیجہ کوششوں کا سلسلہ جاری تھا تو ہمارے تمام بڑے بزرگانِ دین ان اجلاسوں کے بے مقصد ہونے پر متفق تھے۔ خصوصاً قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے ماہ نامہ حق چار یارؓ لاہور میں تین درجن کے لگ بھگ اقساط میں اس کے مضمرات سے پردہ اُٹھایا تھا۔ قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ تھا کہ جو شیلے نعرہ زن اپنا جوش ٹھنڈا کر کے منقار زیرپَر ہو جائیں گے جب کہ اہل تشیع بدستور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین و تنقیص کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ اس لیے یہ سنی و شیعہ کی دو جماعتوں کے مابین ٹکراؤ کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک جماعت کے بالمقابل قدیمی مذہب ہے جو ہر دور میں اہل اسلام سے متصادم راہیں تلاشتا آیا ہے۔

اس وقت ایک خط پیش خدمت کیا جا رہا ہے، یہ دو اہم شخصیات کے مابین مکاتبت ہے جس میں ایک تیسری بڑی علمی شخصیت کا شیعہ، سنی حوالہ سے ایسا بنیادی اصول ظاہر کیا گیا ہے کہ جس پر غور و تدبر کرنے سے حال و ماضی کے کئی گوشے بے نقاب کیے جاسکتے ہیں۔ جامعہ خیر المدارس ملتان میں ''ملی یکجہتی کونسل'' کا اجلاس ہونا طے پایا تھا، اس حوالہ سے امین ملت، وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے نام اپنے گرامی نامہ میں یوں رقم زن ہوتے ہیں:

''حضرت اقدس لازوال شموس فیوضکم بازغۃ علینا۔''

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج اقدس؟

احوال آنکہ ''رجوع الی الحق'' کا مختصر جواب حاضر خدمت ہے۔ بندہ کی صحت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔ آمین۔ علامہ خالد محمود صاحب انگلینڈ سے آ گئے تھے۔ ۲۴ر نومبر کو میٹنگ ملی یکجہتی کے سلسلہ میں خیر المدارس میں ہونی تھی، وہ فاروقی صاحب کی گرفتاری کی وجہ سے ملتوی ہوگئی، علامہ خالد محمود صاحب نے گفتگو کے لیے مندرجہ ذیل اصول رکھے تھے۔

......کیا شیعہ ہمیں مومن مان کر گفتگو کریں گے؟ کیونکہ اُن کے ہاں اسلام دنیوی احکام کے لیے ہے اور ایمان اُخروی نجات کے لیے!

......چونکہ شیعہ کہتے ہیں کہ سارا جھگڑا تکفیر کے نعرے سے چلا ہے جب شیعہ اپنے ایمان کی نفی کو فتنہ مان رہے ہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی نفی سب سے بڑا فتنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں سب سے بڑی گستاخی ہے۔

......بوقتِ بحث محض لزوم پر فیصلہ نہیں ہوگا، الزام پر فیصلہ ہوگا۔

......اس فیصلے کے خلاف جس فرقے نے اقدام کیا، اس فرقہ کے شاملِ مجلس لوگ اپنے فرقہ کے خلاف پولیس میں پرچہ دیں گے۔ الغرض یہ ایسی باتیں ہیں کہ جن پر شیعہ تیار ہی نہیں ہوں گے، احباب کو تسلیمات۔'' [مکتوب مولانا اوکاڑویؒ بنام قائد اہل سنتؒ، مرقومہ ۳، رجب ۱۴۱۵ھ، از ملتان (غیر مطبوعہ)]

اس خط سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شیعہ، سنی برداشت کا رشتہ کس معیار کے تحت ہونا چاہیے؟ چونکہ ہمارے مخاطَب حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب ہیں جو کہ ذہانت و فطانت اور ذکاوت کا اس قدر وافر ملکہ رکھتے ہیں کہ انہیں اس کی تفصیلات سے آگاہ کرنا ان کی شان میں بے ادبی کا ارتکاب ہوگا، اس احساس سے مغلوب ہو کر ہم اس کو یہیں چھوڑ کے آگے بڑھتے ہیں۔

غلطی تو غلطی ہوتی ہے خواہ بڑا کرے یا چھوٹا، حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ کا ایک بصیرت افروز خط!

عالم دین کی ایسی غلطی کہ جس کے ذریعے شبہات کی نقب لگنے کا خدشہ ہو اور اعتقادات کی عمارت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، اس کے متعلق ہمارے اسلاف کس قدر حساس تھے؟ یہ خط پڑھیئے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے جب مولانا محمد اسحٰق سندیلویؒ کے بعض خلافِ جمہور اہل سنت نظریات پر ''خارجی فتنہ'' کے نام سے نقد لکھا تو اس پر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ نے ایک شاندار تبصرہ لکھ کر کتاب کی تائید کی تھی مگر اُس تبصرہ میں چند کلمات ایسے بھی تھے کہ جنہیں مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گہری نظر سے بھانپ لیا کہ یہ الفاظ درج نہ کیے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ چنانچہ انہوں نے قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے نام جو خط لکھا تھا، وہ قارئین کی نظر نواز کیا جاتا ہے۔

''بخدمت گرامی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دام مجدہم

سلام مسنون! جناب والا کا مکتوب ملا تھا، یاد فرمائی کا شکریہ، شیخ الحدیث صاحب (حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔[سلفی]) سے آپ کی کتاب پر تبصرہ کے لیے کہا تھا، مگر انہوں نے اپنی بیماری کی وجہ سے معذرت کی، آج کل سابقہ امراض کے علاوہ انہیں کمر میں شدید درد اُٹھ گیا ہے، دعا فرمائیں۔

میرے ناقص خیال میں اس پر ہمارے جیسے لوگوں کے تبصرہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں، جناب والا کا اسم مبارک اور نام نامی ہی کافی سند ہے۔ مولانا یوسف لدھیانوی صاحب کا تبصرہ میں نے پڑھا تھا بہت خوب ہے۔ لیکن انہوں نے تبصرہ کے آخر میں مولانا محمد اسحاق صاحب کی طرف سے معذرت بھی کی ہے کہ وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازین میں سے ہیں اور اہل حق ہی سے ہیں اور ایسے اختلاف میں مناسب تھا کہ ان کی طرف سے رجوع کیا جاتا۔ اس میں گویا زیادگی ہوئی ہے۔ اس آخری حصہ نے تبصرہ کا وزن کم کر دیا ہے۔ آپ بہتر سمجھتے ہوں تو مولانا یوسف صاحب کو خط لکھیں کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے؟ غلطی تو بہرحال غلطی ہوتی ہے خواہ بڑا کرے یا چھوٹا، اصل بات تو رجوع الی الحق کی ہے۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔''

[مولانا عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ بنام قائد اہل سنتؒ ۲۵/ جنوری ۱۹۸۴ء گوجرانوالہ]

ہمارے بعض بلا کے علم نوش احباب ایک یہ عذر بھی تراشتے رہے کہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ علی الاطلاق تکفیر شیعہ کے قائل نہیں تھے اور حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب بہ نسبت

اپنے والد گرامیؒ کے، حضرت صوفی صاحبؒ کے مشرب و ذوق کو زیادہ پسند کرتے ہیں، احباب کی یہ توجیہہ محض گنے کے رس کی جھاگ ہے جو ہونٹ لگنے سے پہلے ہی غائب ہو جاتی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں تکفیر اور عدم تکفیر کی بحث ہی نہیں ہے۔

ثانیاً: حضرت مولانا راشدی صاحب کے حوالہ سے با حوالہ یہ بات گذر چکی ہے کہ وہ اپنے والد گرامی کی کتاب ''ارشاد الشیعہ'' اور فتویٰ تکفیر سے حرف بحرف متفق ہیں، سو ایسے احباب کی صفائی ''مدعی سست گواہ چُست'' کی قبیل میں شمار ہوگی۔

ثالثاً: گذارش ہے کہ بالفرض حضرت صوفی صاحبؒ علی الاطلاق تکفیر کے قائل نہ بھی ہوں تو روافض کی بدترین درجہ کی تضلیل و تفسیق کے سو فیصد قائل تھے اور اس ضمن میں ان کی تفسیر معالم العرفان سے اگر اقتباسات جمع کیے جائیں جو شیعیت کے خلاف ہیں تو ایک مستقل کتاب ترتیب پا سکتی ہے۔

رابعاً: گذارش ہے کہ کیا حضرت صوفی صاحبؒ نے اپنی تحقیق کی رُو سے یہ اجازت دے دی ہے کہ روافض کی درسگاہوں میں جا کر تقریریں کی جائیں، امامت کروائی جائے اور ان کے متعلق نرم گوشہ رکھا جائے؟ یا کیا انہوں نے خود عملاً کوئی ایسا کام کیا تھا جو حجت قاطع کے درجہ میں ہو اور اسے دلیل بنا کر کوئی ویسے ہی عمل کا ارتکاب کرے؟

خامساً: عرض ہے کہ ہمارے بعض حضرات نے کچھ عرصہ سے یہ روش اپنا رکھی ہے کہ وہ اپنی خواہش کے مطابق کوئی کام کرتے ہیں۔ اب اگر وہ کام حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج سے ہم آہنگ نہ ہو تو کہتے ہیں ہم تو صوفی صاحبؒ کے ہم مزاج ہیں، اور اگر ان کا عمل حضرت صوفی صاحبؒ کے مشرب سے متصادم ہو تو جھٹ سے دوسرے تانگہ میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں کہ ہم تو اس مسئلہ میں حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدرؒ کے ہم ذوق ہیں۔ یہ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر والا سکّہ خالص اعتقادی میدان میں کار آمد نہیں ہوتا، بالخصوص جب کہ اس امر کا تحریری اقرار موجود ہو کہ سنی و شیعہ (فریقین) کے اختلافات اصول کے درجہ میں ہیں اور اس قدر واضح اختلافات ہیں کہ دونوں میں سے کوئی دوسرے کو صاحبِ ایمان تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔

بہر کیف مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے خط میں یہ راہنما اصول موجود ہے کہ کسی بھی عالم دین کی شناخت کے ممتاز اوصاف چونکہ اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتے ہیں، لہٰذا اسے کوئی ایسا عمل نہیں کرنا چاہیے جس سے عام لوگوں کے بدراہ ہونے کی سبیل نکل سکے وگرنہ اس کی تمام تر خرابیوں کا ذمہ دار یہی عالم دین ہوگا۔

جماعتِ اسلامی کے ایک اہم ذمہ دار کا......اسعد گیلانی کے نام چشم کُشا خط!

اس ضمن میں تاریخی ریکارڈ میں ہمارے ہاں ایک اور اہم خط بھی موجود ہے۔ جو غالباً تاحال غیر مطبوعہ تھا اور اب پہلی بار نذرِ طباعت ہورہا ہے۔ متذکرہ خط محتاجِ تعارف وتشریح نہیں ہے، لہٰذا رسمی تمہید کے بغیر ہی خط ملاحظہ کیجیے!

یہ جماعت اسلامی کے ایک اہم رہنما جناب آغا عبدالغفور آف حسن ابدال کا خط ہے جوانہوں نے اُس وقت کے امیر جماعت میاں طفیل محمد اور اسعد گیلانی کو لکھا تھا، ملاحظہ فرمایئے!

''مکرمی ومعظمی جناب مولانا اسعد گیلانی صاحب

السلام علیکم! کل خود ساختہ نوابزادہ خورشید احمد خورشید صاحب ڈائریکٹر جنرل کونسل آف اسلامک رائٹرز سے ملاقات ہوئی، انہوں نے برسبیل تذکرہ مجھے بتایا کہ آپ نے خمینی کی کسی کتاب کا ترجمہ فرمایا ہے اور خورشید صاحب اسے شائع فرمارہے ہیں۔ یہ خبر نہ صرف میرے لیے بلکہ میرے احباب کے لیے بھی (جو کہ جماعت کے متفقین میں سے ہیں) باعثِ حیرت ہے۔ میں یہ خط آپ کو ارسال نہ کرتا اگر آپ کا جماعت سے تعلق نہ ہوتا۔ چونکہ پہلے بھی جماعت اسلامی نے خواہ نادانستہ طور پر سہی، پاکستان میں خمینی ازم کے تعارف اور فروغ میں بہت بڑا کردار ادا کیا اور ملتِ اسلامیہ کو شدید زک پہنچایا لیکن اب یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جماعت نے سجدہ سہو کرلیا ہے لیکن آپ کے اس اقدام سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ دانستہ طور پر پاکستان میں خمینی ازم کے فروغ کے لیے کام کررہے ہیں اور ملتِ اسلامیہ میں فساد برپا کرکے دشمنانِ کعبہ کے ہاتھ مضبوط کررہے ہیں۔ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ کتاب میں ایسا مواد نہیں جس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہو اس لیے اس کے شائع کرنے سے ملت کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، لیکن میرے خیال میں ایسی کتاب اُس کتاب سے زیادہ خطرناک ونقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے جس میں ملتِ اسلامیہ کے لیے زہریلا مواد موجود ہو، کیونکہ ایسے وقت میں جب مسلمان آہستہ آہستہ خمینی کے اصل خدوخال سے واقف ہورہے ہیں تو ایسی کتاب اس کے اصل عقائد اور خباثت پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہوگی۔ اس کتاب سے یقیناً آپ کو مالی منفعت بھی ہوگی اور شہرت بھی! لیکن آپ نے غور فرمایا ہے کہ یہ سب کچھ آپ جماعت کی ساکھ کو داؤ پر لگا کر حاصل کریں گے اور اپنی عاقبت علیحدہ خراب فرمائیں گے۔ رہا نوابزادہ خورشید صاحب کا، تو اسے تو شہرت اور روپیہ کے لیے ایک زینہ چاہیے۔ وہ جماعت اور آپ کے نام کو محض پیسے کمانے کا ذریعہ سمجھتا ہے اس لیے اس کی بلا سے کہ دین وملت کو نقصان پہنچے یا جماعتِ اسلامی کو، اُسے بس روپیہ چاہیے، جو اس ذریعہ سے اس کی توقع سے زیادہ اسے مل جائے گا۔ مولانا محترم! اب یہ بات کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ایران یاترہ ہو یا خمینی ازم کے حق میں چند سطریں، اس کے عوض خطیر رقم ملتی ہے۔ جماعت کے ایک بہی خواہ کی حیثیت سے میں آپ سے دست بستہ استدعا کرتا ہوں کہ خدا کے لیے ملت اسلامیہ کو مزید

نقصان نہ پہنچایئے۔ جماعت کے دامن پر تحریک آزادی پاکستان کی مخالفت کا داغ تو ابھی تک نہیں دُھل سکا ہے اب آپ ملت فروشی کے کلنگ کا ٹیکہ تو نہ لگوائیں۔ امید ہے کہ آپ میری استدعا کو شرف قبولیت فرما کر مجھے اور ملت اسلامیہ کو ممنون فرمائیں گے اور یقیناً جہنم کی اُس آگ سے بھی بچ جائیں گے جو خداوند کریم نے اس قبیل کے لوگوں کے دہکائی ہے۔ فقط [1]

اس خط میں فکر انگیز کلمات حقائق و دقائق، دعوتِ حقیقت، اور وہ سبھی کچھ موجود ہے جو ایک دانا و بینا شخصیت کی ہمہ جہتی کی علامت ہوتے ہیں، یہ ایک غیر عالم کا دردِ دل ہے جس نے پوری گہرائی و گیرائی کے ساتھ شاید شیعیت و سُنیت کا تقابلی مطالعہ بھی نہ کیا ہو، مگر وہ اتنا ضرور علم رکھتے ہیں کہ اہل تشیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے توقیری کرتے ہیں اور یہ کہ اُن سے الفت و اتحاد کی پینگیں بڑھانے والے کو ملک میں خمینی ازم کے فروغ پر ایک تنخواہ دار نمائندہ مقرر تصور کیا جاتا ہے۔ حاشا و کلا ایسے بعید از خیالات و قیاسات بمتعلقہ مولانا زاہد الراشدی صاحب ہمارے وہم و گمان تک میں نہیں ہیں، مگر ایک عامی مسلمان اگر کل ایسے سوالات کھڑے کر دے تو ان سوالیہ نشانات کو کوئی بڑی سے بڑی نسبت بھی سیدھا نہیں کر سکے گی، کیونکہ اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو عالی نسبت حاصل ہے وہ کائنات ارضی کی تمام روحانی نسبتوں پر حاوی ہے۔ ہر انسان کے اندر ایک آفاقی اور تخلیقی صلاحیت کا مادّہ موجود ہوتا ہے اور جب وہ ان خداداد صلاحیتوں کے ترازو پر علماء کرام کے ایسے اعمال کو تولتا ہے تو پھر ڈنڈی مار کر اس کے اُس ترازو کو نقطہ انصاف سے ہٹانا ناممکن ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب تک اہل تشیع کی تضلیل و تکفیر پر بلا مبالغہ ہزاروں کتابیں علماء اہل سنت نے قلمبند کر ڈالی ہیں، بعض اکابر کی تو پوری کی پوری زندگی اس کاز پر گذر گئی، برسوں پر محیط تحریکیں اور تنظیمیں اپنا کردار ادا کرتی رہیں۔ اس تمام تر قربانی اور جہد مسلسل کا صلہ ہماری جانب سے کیا یہی ہونا چاہیے کہ ہم اہل تشیع کے کندھوں سے کندھے ملا کر نہ صرف ان کو تقویت دیں بلکہ ان کی دعوت قبول کرتے ہوئے مصلیٰ امامت تک

---

[1] مکتوب آغا عبدالغفور بنام اسعد گیلانی رمرقومہ ۱۵، ستمبر ۱۹۸۵ء رحسن ابدال، پنجاب

ملاحظہ: یاد رہے کہ اسعد گیلانی نے اپنے دوست مولانا محمد نصر اللہ خان خازن مجددی کے تعاون سے خمینی کی کتاب ''حکومت اسلامی'' کا اردو ترجمہ کر کے ''امام خمینی، دعوت، تحریک اور افکار'' کے نام سے کتاب چھپوائی تھی جو ۱۹۸۲ء میں اسلامک انٹرنیشنل پبلشرز لاہور کی جانب سے چھپی تھی، اس پر جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ میں کافی مخالفت بھی کی گئی تھی۔ آغا عبدالغفور کا یہ خط ۱۹۸۵ء کا ہے جس کا مطلب ہے اسعد گیلانی نے اس کے بعد بھی خمینی کی کسی کتاب کا ترجمہ کیا تھا، جماعت اسلامی میں اسعد گیلانی پر سب سے زیادہ خمینیت کا غلبہ تھا اور وہ دن رات ایران اور خمینی کی خباثتوں کے گُن گاتے تھے۔ خمینی کی اس کتاب ''حکومتِ اسلامی'' میں آئمہ کے مقام و مرتبہ کو انبیاء و رسل سے بڑھ کر درج کیا گیا ہے۔ اسعد گیلانی کا یہ کہنا کہ خمینی کی فلاں کتاب میں زہریلا مواد نہیں ہے۔ دجل و تلبیس اور صریح جھوٹ پر مبنی ہے۔ (سلفی)

آجائیں، کیا اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام ہمارے اس طرز عمل کو برداشت کرے گا؟

ہمارا خیال ہے کہ بشمول مولانا زاہد الراشدی صاحب اگر دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث علماء کرام اپنے باہم فروعی اختلافات کو قدرے سمیٹ کر برداشت کے ساتھ نمٹانے والے بن جائیں اور مرزائیت و شیعیت کی یلغار کو روکنے کے لیے مداہنت کے طریق کار کو ترک کر کے تحفظ ناموس صحابہؓ واہل بیتؓ کے حوالہ سے اپنی فطری واکتسابی کمالات بروئے کار لے آئیں تو اہل السنۃ والجماعۃ کی دنیا بھر میں دھوم مچ جائے گی۔

چند عامیانہ سوالات کے عاجزانہ جوابات!

مولانا زاہد الراشدی صاحب کا شیعہ مرکز میں جا کر خطاب کرنے اور امامت قبول کرنے کے واقعہ کے بعد کچھ حضرات نے اسے اپنے تیئں علمی وشرعی جواز فراہم کرنے کے لیے کئی ایک جتن کیے، کوئی بھی بات اگر معقول لب و لہجے میں دلیل کے ساتھ کی جائے تو خواہ وہ دلیل کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو، قابل سماعت اور لائق احترام ہوتی ہے۔ مگر اس واقعہ کے بعد دیکھنے میں آیا کہ بعض احباب کاغذ کی تتلیوں پر پنسل سے نقش ونگار بنا کر اور پھر پھونکیں مار مار کر گویا ہوا میں اڑانے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔ اس دوران بعض ''بڑے حضرات'' نے بھی ایسے جوابات دیئے کہ جن سے ان کی بڑائی کی ساکھ افسوسناک حد تک متاثر ہوئی، ذیل میں ہم اُن جوابی تدابیر کو پورے حوصلے کے ساتھ درج کر کے ایک مخلصانہ جائزہ لینے کی کوشش کریں گے اور اہل علم سے التماس کریں گے کہ ہمارے جوابات بھلے قبول نہ فرمائیں مگر دل و دماغ کے نور سے ان پر ایک دو مرتبہ غور ضرور فرمالیں۔ کیونکہ غیر جانبدار اور سلیم فطرت انسان ایک ایسے سنگ تراش کی طرح ہوتا ہے جو پتھروں سے کارآمد چیزیں تخلیق کر کے اپنی بصیرت وفراست کی روشنی سے تاریک ماحول کو روشن کر دیتا ہے۔

......پہلی دلیل پر تبصرہ!

مولانا زاہد الرشدی صاحب نے اپنے ایک وضاحتی مضمون میں یہ عذر پیش فرمایا ہے کہ: 'ہمارے اکابرین نے شدید اختلافات کے باوجود مرکزی وقومی تحریکوں، بالخصوص تحریک ختم نبوت میں اہل تشیع کو شریک کیا تھا' گویا ہمارا شیعوں کے امام باڑہ یعنی تعلیمی مرکز میں جانا اکابرین کے طرز عمل سے ثابت ہے۔ ہم عرض کریں گے کہ یہ قیاس مع الفارق کی ایک قبیح ترین شکل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے بزرگوں نے ۱۹۷۴ء کی تحریک میں اہل تشیع کو اپنے ساتھ ملایا تھا اور جمعیت علماء اسلام سیاسی طور پر بنائے جانے والے وقتی وانتخابی محاذوں میں کبھی کبھار ان کے ایک آدھ نمائندہ کو شریک کرتی ہے، مگر ۱۹۷۴ء کی تحریک میں بھی جن حضرات نے اہل تشیع کی شمولیت پر اعتراض کیا تھا، وہ اُسی درجہ کے بزرگانِ دین تھے، جس درجہ کے بزرگوں نے انہیں شمولیت کا پروانہ دیا تھا۔ مثلاً قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین

رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے رفقاء حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ مذکورہ تحریک میں جماعتی طور پر اس لیے شامل نہ ہوئے تھے کہ یہ حضرات اہل تشیع کی شمولیت کے فیصلہ پر اپنے تحفظات رکھتے تھے۔ بہرحال ایک الگ اور مفصل بحث ہے جس کی گہرے غاروں میں رکھے اندوہناک واقعات وحالات ہی مکمل احاطہ کر سکتے ہیں اور اس قدر طویل مباحث کا نہ تو یہ موقع ہے اور نہ خاص ضرورت ہے۔ البتہ ہمارا اس ضمن میں اشکال یہ ہے کہ شیعوں کو اپنے ساتھ ملانا اور چیز ہے، جب کہ شیعوں کے ساتھ جا کر مل جانا، ان کے اداروں کے دورے کرنا، گپ شپ کے ماحول میں دوستی کا ہاتھ بڑھانا اور پھر امامت کے مصلے پر آ جانا امرِ دیگر ہے۔ کیا بزرگوں مثلاً حضرت مولانا مفتی محمودؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، یا اس مرتبہ کے حضرات میں کوئی ایسی مثال ہے کہ وہ از خود شیعوں کے مراکز میں چل کر گئے ہوں اور وہاں جا کر انہیں نماز پڑھائی ہو یا ان کے پیچھے پڑھی ہو؟ آج کل چند علماء کرام تواتر کے ساتھ شیعوں سے میل جول رکھتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ تبادلہ فکر وخیال کے لیے میل جول کا ہونا ضروری ہے۔ جب کہ حالت یہ ہے کہ یہ تبادلہ فکر وخیال کرنے کی بجائے واپس آ کر سُنی حلقوں میں شیعیت کے نمائندے بن بیٹھتے ہیں اور بعض تو اس قدر بے ضمیر واقع ہوئے ہیں کہ وہ امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ تک کو ''نواصب'' میں شامل کر دیتے ہیں۔ ایسے مبادلۂ فکر وخیال کرنے والے اہل سنت کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے آئینے میں دیکھا جائے تو ان کی شکلیں اور نسلیں تک مشکوک ہو کر رہ جائیں۔

بہرحال اہل تشیع علماء کا ہماری جاری کردہ تحریکوں میں آنا اور بات ہے، جب کہ ہمارا چل کر ان کے پاس جانا بالکل مختلف چیز ہے، تو اب آپ ہی فرمائیں کہ آپ کے طرزِ عمل کو اسلاف کے فیصلوں سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں اگر جناب جواد نقوی یا کوئی معروف شیعہ عالم مدرسہ نصرۃ العلوم میں آ جائیں تو کیا تعظیماً ان کو بھی شرفِ امامت سونپا جائے گا؟ اس طرح تو شیعہ وسنی کے مابین جو گیارہ سو سال سے ایک اعتقادی اور آپ ہی کے بقول کفر واسلام کا جھگڑا چلا آ رہا ہے، سب خلط ملط ہو کر رہ جائے گا، جب کہ قانون الٰہی ہماری رہنمائی یوں کرتا ہے کہ **وَلَاتَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.**

......دوسری دلیل پر تبصرہ

حرمِ مکی میں پاکستانی مدرس اور معروف عالم دین حضرت مولانا محمد مکی صاحب سے بذریعہ رقعہ جب مولانا زاہد الراشدی صاحب کی زیر تبصرہ امامت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ: امامت ہی کروائی

ہے ناں، اقتداء تو نہیں کی، تو اس میں بھی آپ ہی کی عزت ہے وغیرہ ذالک۔ مولانا محمد مکی صاحب کی مذکورہ تاویل دو جمع دو کتنے؟ جواب، چار روٹیاں کے مترادف ہے۔ فی زمانہ ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ شخصیات کے قد کاٹھ کے مطابق رائے اور فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ابھی چند ماہ قبل مولانا طارق جمیل صاحب نے حضرت یوسف علیہ السلام کی جناب میں صریح توہین آمیز کلمات کہے تھے، جب مولانا طارق جمیل صاحب کا نام ذکر کیے بغیر مولانا محمد مکی صاحب سے اس ضمن میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ تو واضح توہین نبی ہے اور کہنے والے کو بار بار استغفار کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے حضور معافی مانگنے کے ساتھ ساتھ اسے ان کفریہ کلمات سے علانیہ توبہ کرنی چاہیے، جب کہ اگلے ہی روز جب انہیں پتہ چلا کہ یہ الفاظ مولانا طارق جمیل صاحب نے کہے تھے، تو اُن کا جلال فوراً جمال میں تبدیل ہوگیا، گزشتہ کل جو ہونٹ شدت صدمہ سے کپکپا رہے تھے اب اُن پر اچانک لالی آ گئی اور انہوں نے دوراز کار تاویلات سے مولانا طارق جمیل صاحب کو بالکل نہتا کر کے سرخرو فرما دیا، ایک عام محلے کا امام مسجد اگر بعد از نماز جنازہ دعا کروا دیتا ہے تو وہ مرتکب بدعت کہلاتا ہے اور اگر مولانا طارق جمیل بیگم کلثوم نواز کی نماز جنازہ کے بعد دعا کروا دیں تو وہ ایک عالمی مبلغ کا ''حکیمانہ فعل'' بن جاتا ہے۔ اللہ جانے یہ معمارانِ فطرت دن دیہاڑے تضادات کے پہاڑوں کے پہاڑ کس طرح اپنے سر پہ اٹھا لیتے ہیں؟ اگر کوئی عام، سادہ لوح مبلغ دورانِ گفتگو معیارِ شرافت سے گری بات انجانے میں بھی کہہ ڈالے تو اس کے پیچھے ڈھول باندھ دیئے جاتے ہیں، اور اگر کراچی کے ایک معروف عالم دین درسِ قرآن مجید دیتے ہوئے اور سامنے قرآن مجید رکھے ہوئے بھی حیاء سوز اور نہایت میلی کچیلی گفتگو کرتے ہوں تو کہا جاتا ہے کہ دراصل ''حضرت جی کی طبیعت میں غلبۂ ظرافت ہے۔''

ایک بار پھر مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کا گذشتہ اوراق میں دیا گیا خط پڑھ لیجیے کہ غلطی، غلطی ہی ہوتی ہے خواہ کوئی بڑا کرے یا چھوٹا، یہ بھی انہوں نے ایک اصول کے طور پر بات فرمائی تھی، اور ہر اصول محتاج تشریح ہوتا ہے، اور اُن کے اس اصول کی تشریح یہ ہے کہ عام انسان کی غلطی بانجھ ہوتی ہے جو فقط اسی تک ہی محدود ہوتی ہے، مگر عالم دین کی غلطی، غلطیوں پر غلطیوں کو جنم دیتی چلی جاتی ہے اور پھر قوموں کی قومیں توہمات وتشبہات میں یوں غرقاب ہو جاتی ہیں کہ گویا دنیا میں ان کا وجود ہی نہ تھا، حضرت مولانا محمد مکی صاحب سے کوئی دِل جلا سوال کر سکتا ہے کہ اعزاز اگر یونہی نیلام ہوتا رہتا ہے تو کیا قادیانیوں کی امامت بھی کروائی جا سکتی ہے؟ نیز وحدت وتحفظ کی ضرورت قادیانیوں کو بھی ہے، تو کیا ملکی سالمیت اور جان و مال اور عزت وآبرو کے مشترکہ تحفظات ومفادات کے لیے مرزائیوں کے ہاں جانا بھی شرعاً جائز ہوگا؟ بینوا وتوجروا۔

......تیسری دلیل پر تبصرہ!

ہمارے ایک نہایت محترم اور قابل احترام عالم دین نے بذریعہ سوشل میڈیا اپنا موقف ان الفاظ میں پیش فرمایا ہے کہ ''حرمین شریفین'' کے ائمہ کے پیچھے بھی دنیا بھر سے شیعہ لوگ آ کر نمازیں پڑھتے ہیں، اگر وہاں اعتراض نہیں تو یہاں بھی نہیں ہوسکتا۔ اللہ اکبر!

ظالم یہ کیا نکالی رفتار رفتہ رفتہ
اس چال پر چلے گی تلوار رفتہ رفتہ
گر بت کدے میں جانا ایسا ہے میر جی کا
تو تارِ سبحہ ہوگا زنّار رفتہ رفتہ

یعنی حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کا شیعوں کے مرکز میں جا کر نماز پڑھانا، بعینہٖ حرمین شریفین میں ائمہ کرام کا نماز پڑھانا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہاں ہمیں ایک دیسی قسم کا صدری واقعہ یاد آ گیا ہے جو یوں ہے کہ ایک آدمی درخت پر چڑھ تو گیا مگر اُس سے اترنا مشکل ہوگیا، اہل دیہات جمع ہوئے تو ایک ایسے بزرگ کو طلب کر کے مشورہ لیا گیا جو پورے گاؤں میں سمجھدار ہستی کے طور پر معروف تھے، چنانچہ انہوں نے مشورہ دیا کہ کسی طرح رَسّی درخت پر پھینک کر اوپر بیٹھے ہوئے شخص کی گردن میں ڈالی جائے اور پھر رسی کو کھینچ کر اُسے نیچے اتارا جائے۔ بستی کے صحت مند جوانوں نے جیسے تیسے کر کے رسہ اوپر پھینکا، جو اس شخص نے اپنے گلے میں ڈال دیا۔ نیچے کھڑے ایک نوجوان نے پوری قوت سے کھینچا، تو وہ شخص دھڑام سے زمین پر گرا اور فوت ہوگیا، اہل دیہہ پر سکوت مرگ طاری تھا، اسی اثناء میں بزرگ ندامت وغم کی ملی جلی کیفیت سے بولے ''اللہ جانے یہ منصوبہ کیسے ناکام ہوگیا، حالانکہ میں نے بے شمار لوگوں کو اسی طریقہ کے ذریعہ کنویں سے نکالا ہے۔'' یہ پرانے وقتوں کی بات ہے جب سادہ لوگ درخت پر چڑھے اور کنویں میں اترے ہوئے کو ایک ہی طریقہ سے نکالنے کی تدبیریں کیا کرتے تھے، مگر آج روشنی اور شعور کا زمانہ ہے، نیز برداشت اور تبادلۂ افکار کا ماحول ہے، لہٰذا آج روافض کے ہاں امامت کرنے کا جواز حرمینِ شریفین کی امامت واقتداء سے پیدا کرنا یارانِ وفا کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

......چوتھی دلیل پر تبصرہ!

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: ''عین نماز کے وقت جب میزبان نے ایک سنی عالم دین کی امامت میں نماز پڑھنے کا اعلان کر دیا تو اب دو ہی صورتیں تھیں یا تو امامت قبول کر لی جاتی، بصورت دیگر کسی شیعہ امام کے

پیچھے اقتداء کرنا پڑ جاتی، سو پہلی صورت کو اختیار کرنے میں ہی خیر تھی۔'' اِس سلسلے میں گذارش ہے کہ اولاً تو اہل تشیع کی مذکورہ دعوت کو عملاً قبول ہی نہ کیا جاتا۔ ہمارے علم میں چند ایسے علماء دین بھی ہیں کہ جنہوں نے بھرپور دعوت ملنے کے باوجود شرکت نہیں فرمائی۔ حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب ایک کُہنہ مشق اور مصروف ترین عالم دین ہیں جن کے ملک بھر میں شب و روز جلسے ہوتے رہتے ہیں۔ اگر وہ بھی اہل تشیع کے اس کنونشن میں مفاد اہل سنت اور حق و باطل کے التباس سے محفوظ رہنے کی خاطر شریک نہ ہوتے تو کوئی قیامت نہ آ جاتی۔ آخر اہل سنت کو بھی تو تاریخ دینے کے باوجود عین وقت پر کسی دوسری اہم مصروفیت کی وجہ سے وہ عذر پیش کرتے ہی ہوں گے۔

علاوہ ازیں سننے میں آیا ہے کہ اہل حدیث علماء نے مولانا شمشاد سلفی کی اقتداء میں اپنی الگ جماعت کروائی تھی، اللہ اعلم۔

...... پانچویں دلیل پر تبصرہ!

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: ''جواد نقوی صاحب دوسرے اہل تشیع سے قدرے مختلف ہیں، کیونکہ وہ اہل سنت کے مقدسات کی تعظیم کی دعوت دیتے ہیں اور اہل تشیع میں اصلاحِ احوال و افکار کے لیے کوشاں ہے، لہٰذا ان کی دعوت کو قبول کرنے میں کوئی ایسی قباحت نہیں ہے، جس پر اعتراض کیا جائے۔''

یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے کہ جس کا شیعیت کی نبض پر ہاتھ نہ ہو اور وہ ان کی مکر و فریب کی چالوں سے ناواقف ہو، ایک بار پھر گذشتہ اوراق میں دیا گیا حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کا قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے نام خط ملاحظہ فرمالیں، جس میں ''ملی یکجہتی کونسل'' میں اہل تشیع کی فریب کاریوں سے نمٹنے کے لیے سلطان العلماء علامہ خالد محمود صاحب کا ایک علمی نسخہ دیا گیا ہے۔ جواد نقوی صاحب اپنے نظریۂ شیعیت میں پچھلوں سے مختلف نہیں ہیں، اگر ہمارے بعض اہل سنت کہیں کمزوری دکھا جاتے ہیں تو اس سے دشمن کو بھی کمزور سمجھ لینا بہت بڑی نادانی ہے۔ عقیدۂ امامت، مسئلہ تبرا و تولا، رجعت اور مسئلہ تحریف قرآن مجید کے عنوان پر جواد نقوی صاحب شیعی عقائد پر ہی کاربند ہیں، اور اگر وہ تقیہ سے کام نہیں لیتے اور واقعی اہل سنت مقدسات کی توہین کرنے والے کو بُرا جانتے ہیں تو پھر انہیں چاہیے کہ علامہ محمد بن یعقوب کلینی، شیخ طُوسی، علامہ قمیؒ، علامہ باقر مجلسی، قاضی نور اللہ شوستری، ایران کے خمینی اور عرب و عجم کے ہزاروں علماء شیعہ جنہوں نے قرآنی آیات تک میں معنوی تحریف کر کے اصحاب رسول کی بے انتہا توہین و تنقیص کی ہے، وہ ان سب سے لاتعلقی کریں، یا کم از کم درجہ میں اتنا ہی ایک لیکچر ریکارڈ کروا دیں کہ ہم اپنے تمام بزرگوں کی ان گستاخانہ عبارات سے بری الذمہ ہیں، اور آج ملک بھر کے طُول و عرض میں جو مجلسوں میں شیعہ علماء و ذاکرین بے باکی کے ساتھ تبرا کرتے ہیں، یہ شیعہ مذہب کی تعلیمات کے خلاف

ہے، تو پھر سبھی جان لیں گے کہ دنیا میں ایسے شیعہ بھی ہوتے ہیں۔ مگر ہمارا دعویٰ ہے کہ ایسی خبر آپ تب تک نہیں سنیں گے جب تک کسی ہیجڑے کے گھر میں بیٹا پیدا نہیں ہو جاتا۔

کیونکہ رافضی، رافضی رہ کر کبھی بھی امت مسلمہ کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس قدر واضح اور کُھلے اختلافات کے ہوتے ہوئے وحدت و اتحاد کی فضاء قائم کی جا سکتی ہے۔ البتہ برداشت کا عمل جاری ہے اور پاکستان بننے کے بعد تحریک تنظیم اہل سنت والجماعۃ یا تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ نے ہمیشہ مثبت و اعتدال پالیسیوں سے ہی برداشت کا درس دیا ہے اور سماجی و معاشرتی زندگی میں ہمارے اسلاف کا یہ طرزِ عمل ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مگر اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کر غیروں کے ہاتھ میں دے دینا اور اسے ''برداشت'' کے طور پر متعارف کروانا نہ کبھی پہلے چل سکا، نہ آئندہ چل سکے گا۔

اعتقاد میں اختلاف ہو تو اتفاق ممکن ہی نہیں۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک زریں وعظ:

اب ہم اپنی ان گذارشات کا اختتام حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس وعظ کے چند اہم اقتباسات پر ختم کرتے ہیں جو علماء کرام اور عوام سبھی کے لیے ایک قیمتی نصیحت و بنیادی دستور کی حیثیت رکھتے ہیں...... ملاحظہ فرمایئے! حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> ''ہر معاملہ میں اتفاق ممکن نہیں ہوا کرتا اگر حاکم بھی ایسا ہی کرے کہ دونوں فریق کی ملامت کرنے لگے تو کیسے ہو، مگر دنیاوی معاملات میں یہ نو تعلیم یافتہ بھی اس قاعدہ پر عمل نہیں کرتے اور ہمیشہ ایک فریق کا جو حق پر معلوم ہو ساتھ دیا کرتے ہیں، پھر دین کے بارے میں یہ قاعدہ کیوں نہیں برتا جاتا؟ اس سے ایک راز معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے دلوں میں دین کی وقعت و عظمت کوئی چیز نہیں، اس لیے اس کی کچھ فکر بھی نہیں۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر حاکم کی برابر بھی ان کے نزدیک مذہب کی ضرورت ہوتی تو یہ ہمیشہ صاحبِ حق کی مدد کرتے۔ یہ کیا کہ زید کو بھی ملامت عمرو کو بھی۔ اس کو اتفاق کی ترغیب اس کو بھی۔ آخر کس بات میں دونوں متفق ہوں کس بات کو قبول کریں؟ اگر کوئی ایسی بات ہو جس میں اتفاق ہو سکے تو خیر۔
>
> جب اعتقاد کا اختلاف ہے کہ ایک فریق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی سمجھتا ہے اور دوسرا فریق ایسا نہیں سمجھتا۔ ایک فریق ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو فقیہہ سمجھتا ہے دوسرا ان کو مخالف خدا و رسول جانتا ہے، تو اب بتلاؤ اتفاق کی کیا صورت ہے؟ دونوں کے عقائد میں تضاد ہے۔ اب سوا اِس کے کہ ایک فریق اپنا عقیدہ بدلے کوئی صورت اتفاق کی نہیں۔ اپنے اپنے عقیدہ پر قائم رہ کر اتفاق ہرگز مقصود نہیں۔ البتہ اگر مذہب و عقیدہ کوئی ضروری چیز نہ ہو تو پھر واقعی ہو سکتا ہے، مگر اس کو بجز ان نو تعلیم یافتہ حضرات کے کوئی عاقل بھی قبول نہیں کر سکتا اور زبان سے تو یہ بھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ اگرچہ دلوں میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ دوسرے اس

طریقے پر دنیاوی امور پر بھی عمل نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ایک شخص نے مجلس میں ایک بات نکالی تو اس میں بھی دو چار اختلاف کرنے والے ہوجائیں گے۔ اب اگر ان دونوں فریق کو ملامت کی جائے اور اتفاق کی ترغیب دی جائے تو سو قباحتیں آجائیں گی۔ مگر اتفاق ناممکن ہوگا پس آپ کا طریقہ تو ایسا ناتمام ہے کہ نہ دین میں کارآمد نہ دنیا میں۔

اب میں بتلاتا ہوں کہ اتفاق کیونکر ہو۔ پہلے آپ خود تحقیق کیجیے کہ صورت معاملہ کیا ہے پھر جو حق بجانب ہو اس کا ساتھ دیجیے اور دوسرے کو ملامت کیجیے اور پہلے کا تابع بنایئے۔ یہ جو دونوں کو ملامت کی جاتی ہے، سخت غلطی ہے اور اس زمانہ کے نوجوانوں کو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ وہ اتفاق کو محمود اور اختلاف کو مذموم سمجھ کر علماء کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ آپس میں اتفاق کرلو! پس ان کی اتنی بات تو قابل تسلیم ہے کہ واقعی نزاع اور اختلاف بری چیز ہے اس کو زائل کرنے کا جو طریقہ بتلایا جاتا ہے کہ دونوں کو ملامت کرکے اتفاق کی دونوں کو ترغیب دی جاتی ہے یہ بالکل سراسر عقل اور فطرت کے خلاف ہے، کیونکہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ صاحبِ باطل کچھ صاحبِ حق کا اتباع کرے اور صاحبِ حق کچھ صاحبِ باطل کا اتباع کرے کہ پہلے ایک فریق خالص حق پر تھا تو اب وہ بھی باطل کا پیرو ہوجائے، اس کو فطرت انسانیہ کبھی نہیں تسلیم کرسکتی عجیب بات ہے کہ یہ لوگ خلافِ فطرت کی تعلیم کو ہمیشہ ناقابل اشاعت سمجھتے ہیں اور سب سے زیادہ مدعی فطرت ہیں مگر دین میں نہ معلوم وہ فطرت کیا ہوجاتی ہے جو خود خلافِ فطرت کی تعلیم دیتے ہیں۔

[وعظ وحدت الحب: ۱۲،۱۳]

ہم نے اپنی پس ہمتی اور کم علمی کی بناء پر جو مناسب سمجھا، وہ سپُردِ تحریر کردیا۔ اور ابھی بہت کچھ لکھنے سے رہ بھی گیا، خصوصاً ۱۹۸۰ء کی دہائی میں حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب نے ''متحدہ سُنی محاذ'' کے پلیٹ فارم سے جو قابل قدر خدمات سرانجام دیں، اسے حیطۂ تحریر میں لانے کا بھی ارادہ تھا متحدہ سُنی محاذ کے اصلاً بانی کون تھے؟ پھر کس سے کہاں کہاں ہاتھ ہوا؟ عہدوں کی طلب اور قیادت کی تڑپ نے کس طرح قومی و اجتماعی طاقت کو راکھ کی ڈھیری میں تبدیل کردیا تھا؟ اس سب کچھ سے قطع نظر اُس دور کے اصل خطوط، مضامین اور تبصروں کی روشنی میں ہم کسی کی خدانخواستہ جماعتی کمزوریوں کو نہیں، بلکہ ان کمزوریوں کے باوصف سُنی غیرت واتحاد کے جذبوں پر کچھ نذر قارئین کرنا چاہتے تھے۔ اور پھر توجہ دلاؤ سطور سے یہ احساس دلاتے کہ سُنی تحفظ وحقوق کے وہ ایمانی جذبات اَب سرد کیوں پڑ گئے؟ جب کہ آج پہلے سے کہیں زیادہ اس کی ضرورت ہے۔ مگر زیرِ نظر مضمون ہی خاصی طوالت اختیار کرگیا ہے۔ لہٰذا اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے، نبی اکرم ﷺ کی جنتی اور بابرکت جماعت صحابہ کرام واہل بیت اطہار کی محبت وعقیدت نصیب فرمائے اور ایمان وصحت وسلامتی کے ساتھ ہمیں دنیا سے رخصت فرما کر اُخروی نجات عطا فرمائے۔ اللھم آمین. ☆☆☆☆

مولانا مفتی عبید الرحمٰن، مردان

اِرتداد وزَندقہ کی حقیقت اور متعلقہ اَحکام

''اس ناکارہ نے ''غیر مسلم کے ساتھ مختلف نوعیت کے تعلقات'' سے متعلق ایک رسالہ کی شکل میں موضوع سے متعلق مختلف مسائل لکھے تھے جو کچھ عرصہ قبل شائع ہوا، بعض اہل علم حضرات نے بجا طور پر یہ تجویز دی کہ صرف عام کفار سے متعلقہ احکام لکھنا کافی نہیں ہے، بلکہ اسی طرز پر مرتدین اور زنادقہ سے متعلق شرعی احکام لکھنا بھی ضروری ہے، اسی تجویز کے تحت یہ مضمون تیار ہوا۔''

اِرتداد وزَندقہ کی حقیقت:

دین ومذہب کے اعتبار سے انسانیت کی دو قسمیں ہیں: مسلمان۔ کافر۔ پھر کافر کی یوں تو مختلف جماعتیں اور متعدد قسمیں ہیں لیکن مجموعی طور پر دو ہی قسمیں ہیں: ایک کافر اصلی اور دوسرا مرتد۔ کافر اصلی کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابتدا سے کفر پر رہا ہو اور مرتد یہ ہے کہ ایک مرتبہ دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد کافر ہو جائے، اسی سے قریب ایک قسم اور ہے جس کو 'زندیق' کہا جاتا ہے، یہ عربی کا لفظ نہیں ہے بلکہ معرّب ہے، بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اس کی اصل لفظ ''زندہ'' ہے اسی سے زندیق بنا ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو زندگی کے ہمیشہ رہنے کے قائل یعنی قیامت کے منکر ہوں۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ''زند'' دراصل فرقہ مزدکیہ کی مذہبی کتاب کا نام ہے، اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے کسی کو زندیق کہا جاتا ہے۔[1]

اس کا اصطلاحی مفہوم کیا ہے؟ اس کے متعلق بھی متعدد اقوال ہیں، لیکن اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، بس اتنی بات واضح رہنی چاہئے کہ الحاد ہو یا زندقہ، اس کا کوئی ایک روپ نہیں ہے بلکہ بیسیوں شکلیں ہو سکتی ہیں، ہر دور میں یہ فتنہ نت نئی قسموں میں نمودار ہوتا ہے، مجموعی طور پر زندیق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے کسی کفریہ عقیدہ کو اسلام سمجھتا ہو اور اس کفر کے موجود ہوتے ہوئے بھی خود کو مسلمان خیال کرتا ہو، زندیق نہ تو عام کفار کی طرح اسلام کو چھوڑنے کی جرأت کرتا ہے نہ ہی مسلمانوں کی طرح تمام

[1] علامہ ابن کمال پاشا رحمہ اللہ نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے: ''تصحیح لفظ الزندیق و توضیح معناہ الدقیق''، جو اُن کے مجموعہ رسائل کی پانچویں جلد میں شامل ہے، تفصیل کے لیے اس کی طرف مراجعت فرمائیں۔

ضروریات دین کا اعتقاد رکھتا ہے۔

زندیق کا مرتد ہونا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ (دونوں میں ''عموم من وجہ'' کی نسبت ہے چنانچہ) بعض اوقات ارتداد و زندقہ دونوں ایک ہی شخص میں جمع ہو جاتے ہیں، مثلاً: کوئی شخص مسلمان ہے اور۔معاذ اللہ۔ پھر وہ قادیانی بن جائے، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مرتد ہو لیکن زندیق نہ ہو، جیسے: کوئی شخص مسلمان تھا اور اسلام چھوڑ کر یہودی و نصرانی بنا، یا یوں ہی بے دین رہا، اور ایسا بھی ممکن ہے کہ کوئی زندیق ہو لیکن مرتد نہ ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص مادر زاد قادیانی ہے تو وہ گو اصطلاحی معنی میں مرتد نہیں ہے، لیکن زندیق ہے۔

عام کافر اور مرتد کے احکام میں وجہ فرق:

شریعت کی روشنی میں عام کافر اور مرتد کے اَحکام یکساں نہیں ہیں بلکہ دونوں کے حکم میں فرق ہے، جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔اس کے متعلق عموماً یہ اشکال اٹھایا جاتا ہے کہ اِس فرق کی بنیاد کیا ہے؟ جب دونوں کافر ہیں تو احکام میں وجہ فرق کیا ہے؟ یہ سوال خاص طور پر قتل مرتد کے مسئلہ میں بہت دہرایا جاتا ہے اور اِس کو آزادی اظہارِ رائے وغیرہ کے خلاف گردانا جاتا ہے۔

اِس کا اصل اور بنیادی جواب تو یہی ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے ہم قرآن وحدیث کی تعلیمات وہدایات کے غیر مشروط طور پر مکلّف ہیں اور قرآن وحدیث کی تعلیمات سے یہ فرق ثابت ہوتا ہے، لہٰذا ہم اس فرق کے قائل ہیں، قرآن وحدیث کا ہمارے عقلی توجیہات کے مطابق ہونا ضروری ہے نہ ہی ہر ہر حکم شرعی کا کسی علت پر مبنی ہونا اور پھر اس علت تک ہمارے ذہنوں کی رسائی ہونا کوئی لازم ہے؟ بلکہ اسلام وایمان کا تقاضا یہی ہے کہ جب کوئی حکم ثابت ہو جائے تو بے چون وچرا سر تسلیم خم کرے ع

سر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

قتل مرتد کی حکمت:

یہ اصل اور اُصولی جواب ہے، البتہ اس مسئلہ کی یعنی عام کافر اور مرتد کے احکام کے درمیان احکام میں فرق کی ایک حکمت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ مرتد کا تعلق چونکہ اسلام کے ساتھ رہا ہے، وہ کسی زمانے میں اسلام کا معترف اور اسی کو اپنا دین وایمان سمجھتا تھا، اور کسی چیز کو اپنا دین وایمان قرار دینا اس کی تعظیم و قدردانی کا شاید سب سے بڑا درجہ ہوتا ہے جس پر انسان اپنی زندگی اور ذاتی ومالی اغراض تک قربان کر دیتا ہے، اَب کوئی شخص جب ایک نظریہ کو دین وایمان کی حد تک قبول کر لینے کے بعد بھی برملا چھوڑ بیٹھتا ہے اور اس کے بالکل متضاد نظریہ کو گلے لگانا شروع کر لیتا ہے، یہ اس بات کی کافی دلیل ہوتی ہے کہ شاید اس نظریہ کا

کوئی کمزور پہلو اس کے سامنے آ گیا جس کی وجہ سے اس کو خیر باد کہا اور اس نظریہ میں کوئی خامی ضرور موجود ہے جس کی وجہ سے لوگ سب کچھ کی قربانی دیدینے کے بعد بھی اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔

عقل مند اور تحقیق مزاج لوگوں کے لئے گو یہ چیز کوئی زیادہ پریشانی یا خطرہ کا موجب نہیں ہوتی، لیکن متوسط طبقہ کے لئے ایسا موقع انتشار کا باعث بن جاتا ہے جس میں خدشہ ہوتا ہے کہ اس کے دیکھا دیکھی کوئی دوسرا فرد اپنی متاعِ دین وایمان کا سودا نہ کرے۔ اِرتداد کرنیوالے افراد کمیت وکیفیت یعنی تعداد وصفات کے لحاظ سے جس قدر زیادہ وممتاز ہوں اتنا ہی یہ خطرہ پورے دینی معاشرے کو اپنے لپیٹ میں لے لیتا ہے، اور یہ کوئی فرضی قصہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک زمینی حقیقت ہے اور دین دشمن قوتیں ماضی وحال میں اس کو ایک ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کرتی رہی ہیں، چنانچہ دینِ اسلام کی نعمت سے لوگوں کو محروم رکھنے کے لئے یہود نے جو کچھ منصوبہ بندیاں کی تھیں، اُن میں سے ایک منصوبہ یہ بھی تھا۔

قرآن کریم میں ہے:

وقـالَـتْ طَـائِـفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِى أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ. [آل عمران:۷۲] اور اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کہا جو کچھ مسلمانوں پر اترا ہے اس پر صبح ایمان لاؤ اور شام کو اس سے انکار کردو شاید کہ وہ پھر جائیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ارتداد دینِ اسلام کے خلاف ایک بغاوت ہے، گو یہ بغاوت ظاہر میں غیر مسلح ہے، لیکن اپنے مضر اثرات کے لحاظ سے مسلح بغاوت سے زیادہ خطرناک ہے کہ اس کی وجہ سے ذہنی انتشار اور قلبی تردّد پیدا ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح بغاوت کی سزا تمام دنیا میں یہی رائج ہے کہ یا تو باغی شخص سرنڈر ہو کر بغاوت سے باز آئے یا اس کو قتل کر کے ملک وملت کو اس کے مضر اثرات سے محفوظ رکھا جائے، یوں ہی دین اسلام میں بھی جرم ارتداد کی یہی سزا ہے کہ یا تو واپس اسلام قبول کرے ورنہ قتل کر دیا جائے۔ البتہ مزید احسان یہ کیا گیا کہ فوراً قتل نہ کیا جائے بلکہ اس کو مناسب حد تک مہلت دی جائے تاکہ وہ غور وخوض کرے اور چاہے تو اپنے جرم کی تلافی کر کے جان بچائے، اور اگر دین اسلام میں کوئی شبہ واعتراض لاحق ہونے کی وجہ سے ارتداد پر آمادہ ہو تو اس کو بھی دور کیا جائے۔

مرتد کے ساتھ مختلف نوعیت کے تعلقات کا حکم:

کفار کے ساتھ تعلقات کو مجموعی طور پر تین قسموں میں تقسیم کیا گیا تھا:

۱۔ مذہبی تعلقات، یعنی ان کے دین کے متعلق نظریہ، ان سے دوستی ومحبت رکھنا، نکاح وبیاہ کا رشتہ نبھانا، وغیرہ۔

۲: مدارات، جس میں عیادت وتعزیت، دعوت وضیافت، تعاون اور ہبہ کا لین دین وغیرہ سماجی ومعاشرتی تعلقات داخل ہیں۔

۳۔ تجارتی تعلقات ومعاملات۔

پہلی نوعیت کے تعلقات تو بالکل جائز نہیں، البتہ اہل کتاب عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی بعض شرائط کے ساتھ گنجائش ہے جس کی تفصیل اصل رسالہ میں درج ہے، مدارات کی بعض شرائط کے ساتھ اجازت ہے، جہاں تک تجارتی تعلقات کا حکم ہے تو اس میں اصلاً کافر وغیر کافر کا فرق نہیں ہے تاہم بعض خارجی عوامل کی وجہ سے اس کے لیے بھی کچھ شرائط ذکر کیے گئے ہیں۔

یہ عام کافر کے ساتھ تعلقات کے احکام ہیں، اگر کوئی کافر مرتد ہے تو اس کے ساتھ تعلقات کا ضابطہ یہ ہے کہ:

الف: پہلی نوعیت کے تعلقات تو عام کفار کی طرح اس کے ساتھ بھی رکھنا ناجائز ہے۔

ب: دوسری قسم کی تعلقات رکھنا عام کفار کے ساتھ بعض شرائط کے ساتھ جائز ہے، جبکہ کافر حربی کے ساتھ ناجائز ہے، اس باب میں مرتد کا حکم بھی حربی کافر کا ہے، لہٰذا جس طرح حربی کے ساتھ اس قسم کا تعلق استوار رکھنا اصلاً ناجائز ہے یوں ہی مرتد کے ساتھ بھی ناجائز ہے، بلکہ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حکم کے لحاظ سے مرتد، حربی ہی کی ایک قسم ہے، یہی وجہ ہے کہ دونوں کی جان ومال معصوم نہیں ہے، لہٰذا عام حالات میں مرتد کے ساتھ احسان وتعاون کرنا، اس کی عیادت وتعزیت کرنا، ان سے میل جول رکھنا، اس کی دعوت وضیافت کرنا یا قبول کرنا شرعاً ممنوع ہے۔

مرتد کیساتھ تجارتی تعلقات رکھنا:

ج: یعنی مرتد کے ساتھ خرید وفروخت، کرایہ داری وغیرہ کے معاملات کرنا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک موقوف ہے، اگر وہ اسلام لے آیا تو یہ تصرفات نافذ ہو جائیں گے ورنہ نہیں، جبکہ حضرات صاحبین کے نزدیک یہ تصرفات نافذ ہو جاتے ہیں، امام صاحب کا قول راجح ہے۔[اللباب فی شرح الکتاب: ۱۵۱/۴]

لیکن یہ اختلاف نفاذ میں ہے کہ مرتد کے اس نوعیت کے تصرفات نافذ ہو جائیں گی یا نہیں؟ جواز میں نہیں ہے اور کسی عقد کا موقوف ہونا اس کے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مرتد کے ساتھ تجارتی تعلقات فی نفسہ ناجائز نہیں ہیں، لیکن ارتداد اختیار کرنے کی وجہ سے چونکہ وہ اپنے آپ کو دین اسلام کا گویا باغی ٹھہرا چکا ہے اور دین اسلام بھی ارتداد کی حالت میں اس کے تین دن سے زیادہ باقی رہنے کو جائز نہیں سمجھتا، اس لیے دینی غیرت واسلامی حمیت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے ساتھ ایسے تعلقات بھی قائم

نہیں کئے جائیں اور جہاں تک ہو سکے تو خدا و رسول کے دشمن کو اپنا دشمن تصور کر لینا چاہئے، لہٰذا بلا ضرورت اس کے ساتھ تجارتی معاملات کرنا دینی غیرت کے خلاف ہے۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہ حکم تب ہے جب کہ صرف تجارتی معاملہ ہی کرنا مقصود ہو، اگر اس کے ساتھ مستقل تجارتی تعلق رکھا جائے اور اس کے نتیجہ میں خطرہ ہو کہ:

الف: تعلق رکھنے والا مسلمان ان کی باتوں یا ان کے ظاہری اخلاق سے متاثر ہو کر ان کی طرح ارتداد کی طرف گامزن ہو جائے گا۔

ب: یا اپنے دین اسلام کے متعلق کسی قسم کے تذبذب کا شکار ہو جائے گا۔

ج: یا تعلق رکھنے والے کے متعلق تو خطرہ نہ ہو لیکن ان کی دیکھا دیکھی دیگر مسلمانوں کے بارے میں ایسا خدشہ ہو۔

د: یا خود مرتد کے متعلق یہ گمان ہو کہ مسلمانوں کے تجارتی تعلقات رکھنے کی وجہ سے اس کو اپنے اس ناجائز اقدام میں تائید و تقویت ملتی ہو، تو ان ساری صورتوں میں اس کے ساتھ تجارتی تعلقات رکھنا بھی جائز نہیں بلکہ احتراز کرنا ضروری ہے۔

مرتد کی جان کا حکم:

اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر (معاذ اللہ) کوئی شخص مرتد ہو جائے تو واجب القتل ہو جاتا ہے اور اس کا قتل کرنا واجب ہے، البتہ ہمارے نزدیک اس کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ قید کر کے اس کو دین اسلام دوبارہ قبول کرنے کی دعوت دی جائے، اگر کسی مسئلہ میں شبہ یا اعتراض پیش آنے کی وجہ سے مرتد ہوا ہے تو اس کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے، اس کے بعد اگر وہ اسلام لے آیا تو بہتر، ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے، یہ تو مرتد مرد کا حکم ہے، اگر عورت مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید میں رکھ کر مناسب حال سزا دی جائے گی یہاں تک کہ یا تو اسلام قبول کرے یا مر جائے۔

''الاختیار'' میں ہے:

(وإذا ارتد المسلم والعياذ بالله) عن الإسلام (يحبس ويعرض عليه الإسلام وتكشف شبهته، فإن أسلم وإلا قتل)، أما حبسه وعرض الإسلام عليه فليس بواجب لأنه بلغته الدعوة؛ والكافر إذا بلغته الدعوة لا تجب أن تعاد عليه فهذا أولى، لكن يستحب ذلك؛ لأن الظاهر إنما ارتد لشبهة دخلت عليه أو ضيم أصابه فيكشف ذلك عنه ليعود إلى الإسلام وهو أهون من القتل. [الاختيار لتعليل المختار: ۱۴۵/۴]

اگر نعوذ باللہ کوئی مسلمان مرتد ہوجائے، تو قید کر کے اسے اسلام کی دعوت دی جائے گی، اور اس کے خلجان کو دور کیا جائے گا، اگر دوبارہ مسلمان ہوجائے تو ٹھیک ورنہ قتل کیا جائے گا۔ قید کر کے اسلام پیش کرنا کوئی ضروری نہیں، کیونکہ اسے اللہ کا پیغام پہنچ چکا ہے، اور کافر کو جب دعوت پہنچی ہو تو دوبارہ دعوت دینا کوئی ضروری نہیں، لہٰذا مرتد کو بطریق اولیٰ دعوت دینا ضروری نہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ اسے دعوت دی جائے، کیونکہ ممکن ہے کہ اسے کوئی شبہ درپیش ہو، یا وہ زیادتی کا شکار بنا ہو، تو اسے دور کر کے اگر اسلام قبول کرے تو بہتر ہے کیونکہ یہ معاملہ قتل کے بنسبت زیادہ آسان ہے۔

"تحفة الفقهاء" میں ہے:

وأما حكم أهل الردة فنقول لهم أحكام من ذلك أن الرجل المرتد يقتل لا محالة إذا لم يسلم ولا يسترق لكن المستحب أن يعرض عليه الإسلام أولا، فإن أسلم وإلافيقتل من ساعته إذا لم يطلب التأجيل فأما إذا طلب التأجيل إلى ثلاثة أيام لينظر في أمره فإنه يؤجل ولا يزاد عليه ولكن مشايخنا قالوا الأولى أن يؤجل ثلاثة أيام ويحبس ويعرض عليه الإسلام فإذا وقع اليأس فحينئذ يقتل،فأما المرأة فلا تقتل عندنا.[تحفة الفقهاء، كتاب السير:۳۰۸/۳]

مرتد سے متعلق چند احکامات ہیں: ایک یہ کہ مرتد شخص جب دوبارہ اسلام قبول نہ کرے تو اسے غلام بنائے بغیر ضرور قتل کیا جائے گا، تاہم مستحب یہ ہے کہ اسے اسلام کی دعوت دی جائے، اگر اسلام قبول کرے تو بہتر ورنہ اگر وہ سوچ و بچار کے لیے کوئی مہلت نہ مانگے تو فوراً قتل کیا جائے، اگر سوچ بچار کے لیے مہلت مانگے تو تین دن کی مہلت دی جائے، اس سے زائد نہیں۔ بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ اسے قید کر کے مہلت مانگے بغیر بھی تین دن کی مہلت اور دوبارہ دعوت دی جائے، اور جب مسلمان ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہے تب قتل کیا جائے، البتہ عورت اگر مرتد ہوجائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

مرتد کے مال و املاک کا حکم:

اس کے متعلق تین مسائل ہیں:

۱۔ مرتد کی ملکیت کا حکم۔

۲۔ مرتد کے میراث کا حکم۔

۳۔ اس کے دیون کا حکم

جہاں تک ملکیت کا حکم ہے تو امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ ارتداد قتل کرنے کا موجب ہے، اس لیے ارتداد کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہوجائے گی اور وہ اپنے املاک کا مالک نہیں رہے گا، البتہ

آگے چونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اسلام قبول کرے اور یہ بھی کہ اسی حالت میں قتل کیا جائے، اس لئے یہ زوالِ ملک موقوف رہے گا، اگر اسلام قبول کرنے کی توفیق ملی تو پہلے کی طرح اپنی املاک کا مالک رہے گا اور اگر ارتداد ہی کی حالت میں قتل کیا گیا تو اس کا حکم میراث کا ہے۔ حضرات صاحبین کے نزدیک محض ارتداد کی وجہ سے ملکیت زائل نہیں ہوگی جب کہ وہ قتل نہ ہو جائے یا کسی دار الحرب میں پناہ نہ لے۔

"تحفة الفقهاء" میں ہے:

ومنها حكم مال المرتد وتصرفاته قال أبو حنيفة إنه موقوف فإن مات أو قتل على ردته أو لحق بدار الحرب بطل جميع ذلك ...وإن أسلم صح ذلك كله لأن ماله موقوف عنده بين أن يصير لورثته من وقت الردة وبين أن يبقى له إذا أسلم فالتصرفات المبنية عليه كذلك، وعند أبي يوسف تصرفاته صحيحة مثل تصرف الصحيح، وعند محمد تصرفاته مثل تصرف المريض لا تصح تبرعاته إلا من الثلث لأن عندهما ملكه باق بعد الردة وإنما يزول بالموت والقتل وإلحاق بدار الحرب. [كتاب السير: ۳۱۰/۳]

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرتد کی ملکیت اور تصرفات مسلمان پر موقوف ہیں، چنانچہ ارتداد کی حالت میں مرنے، قتل ہونے یا دار الحرب منتقل ہونے کی صورت میں اس کے تمام تصرفات باطل ہونگے، جبکہ مسلمان ہونے کے بعد نافذ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تندرست آدمی کی طرح اس کے تمام تصرفات نافذ ہونگے، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے تصرفات مرض الموت کے مریض کی طرح ہیں، یعنی: جو تبرعات ہیں وہ ثلث مال تک نافذ ہونگے۔ بہر حال صاحبین کے نزدیک مرتد ہونے کے بعد بھی اس کی ملکیت برقرار رہتی ہے جو کہ طبعی موت مرنے، قتل ہونے یا دار الحرب منتقل ہونے سے ہی ختم ہوگی۔

مرتد کی میراث کا حکم:

اگر کوئی شخص حالت ارتداد ہی میں مر جائے تو اس کے ترکہ واملاک کی دو صورتیں ہیں:

الف: وہ چیزیں/نقد، جو اس نے اسلام کی حالت میں کمائی یا جمع کی تھی، اس کا حکم یہ ہے کہ بالاتفاق اس میں میراث جاری ہوگا۔

ب: وہ اشیاء جو ارتداد کی حالت میں کمائیں۔ اس میں امام صاحب اور حضرات صاحبین کا اختلاف ہے، امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا حکم مال فیء کا ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اس میں بھی ضابطہ کے مطابق میراث جاری ہوگی۔

''جامع صغیر'' میں ہے:

مـرتد له مال اكتسبه فی حال الإسلام ومال اكتسبه فی حال الردة فأسلم فهو له وإن لـحـق بـدار الـحرب أو مات على ردته فما كان له حال الإسلام فهو لورثته وما كان فی حال الـردـة فهو فیء وقال أبو يوسف ومحمد (رحمهما الله) جميع ذلك لورثته. [الجامع الصغير، باب الارتداد واللحاق بدار الحرب:۳۰۷]

مرتد نے اسلام یا ارتداد کی حالت میں جو کچھ مال کمایا ہے، اسلام لانے کے بعد دونوں قسم اموال اس کی ملکیت شمار ہوگی، البتہ مرتد ہونے کے بعد اگر وہ دارلحرب منتقل ہوجائے، تو اسلام کی حالت میں کمایا ہوا مال ورثاء کا حق ہے، اور ارتداد کی حالت میں کمایا ہوا مال مال فیء ہوگا، حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں قسم مال ورثاء کا حق ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کی ''کتاب الاصل'' میں ہے:

قـلـت: أرأيـت الـرجـل إذا ارتد عن الإسلام فاكتسب مالاً فی ردته أيكون ميراثاً بين ورثته؟ قال: لا، ولكن يكون فيئاً فی بيت المال .قلت: ولِمَ؟ قال: لأنه اكتسبه وهو مرتد حلال دمـه بـمنزلة أهل الحرب. وقال أبو يوسف ومحمد: نرى أن ما اكتسبه فی ردته ميراث لورثته، ونرى عتقه فی ردته جائزاً، ولا يكون شیء مما اكتسبه فی دار الإسلام فيئاً، إلا أن محمداً قال فی ذلك: هو فيما أعتق أو باع أو اشترى بمنزلة المريض.....

قـلـت: فـإن أبـى أن يسـلـم فقتله الإمام أيقسم ماله بين ورثته على فرائض الله تعالى؟ قال: نعم .قـلـت: فهـل بلغك فی هذا أثر؟ قال: نعم، بلغنا عن على بن أبی طالب أنه قتل مرتداً وقسـم مـالـه بيـن ورثته على فرائض الله تعالى .وبـلـغـنا نحو من ذلك عن على وعبد الله بن مسعود .قلت: أرأيت الرجل إذا ارتد عن الإسلام هل تقسم ماله بين ورثته وهو مقيم فی الدار قبل أن تقتله؟قال: لا .قلت: فإن لحق بأرض الحرب ثم رفع ذلك إلى الإمام هل تقسم ماله بين ورثته؟ قال: نعم .قلت: وتعد هذا بمنزلته لو مات؟ قال: نعم.

[الأصل للشيبانی ط قطر، باب الأحكام فی الارتداد عن الاسلام:۴۹۵/۷]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ارتداد کی حالت میں کمایا ہوا مال ''مال فئے'' شمار ہوگا، میراث بن کر ورثاء کے درمیان تقسیم نہ ہوگا، کیونکہ ارتداد کی وجہ سے وہ مباح الدم ہوکر حربی کی طرح بن گیا۔ حضرات صاحبین کے نزدیک ارتداد کی حالت میں کمایا ہوا مال بھی ورثاء کا حق ہے، کیونکہ دارالاسلام میں کمایا ہوا مال مال فیء نہیں ہوتا، البتہ امام محمد کے نزدیک اس کے تبرعات جیسے غلام آزاد کرنا وغیرہ مرض الموت کے مریض کی طرح صرف ثلث مال کی حد تک نافذ ہونگے۔

اگر مرتد دوبارہ اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو اس کا مال ورثاء کے درمیان تقسیم کیا جائے

گا، جس کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ اثر ہے جس میں نقل ہے کہ انہوں نے ایک مرتد کو قتل کر کے اس کا سازوسامان ورثاء کے درمیان تقسیم کیا تھا، اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث مروی ہے۔ تاہم قتل ہونے سے پہلے پہلے اس کا مال ورثاء کے درمیان تقسیم نہیں کیا جائے گا، البتہ مرتد ہونے کے بعد اگر وہ دارالحرب منتقل ہو جائے تو مُردوں میں شمار ہونے کی وجہ سے اس کا مال ومتاع ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگا۔

''الاختیار'' میں ہے:

ويزول (سم)، ملكه عن أمواله زوالا مراعى، فإن أسلم عادت إلى حالها، وإن مات أو قتل أو لحق بدار الحرب وحكم بلحاقه عتق مدبروه وأمهات أولاده وحلت الديون التى عليه ونقلت أكسابه فى الإسلام إلى ورثته المسلمين، وأكساب الردة فىء. (سم).

[فصل المرتد:۱۴۶/۴]

مرتد کا اپنے مال ومتاع سے ملکیت ایک وقت تک ختم سمجھی جائے گی، چنانچہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو واپس اس کی ملکیت شمار ہوگی ورنہ طبعی موت مرنے، قتل ہونے یا دارالحرب منتقل ہونے کی صورت میں اس کے ذمے قرضوں کی ادائیگی فوراً لازم ہوگی، اور حالت اسلام میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثاء کا حق جبکہ ارتداد کی حالت میں کمایا ہوا مال ''مال فیء'' شمار ہوگا۔

مرتد کے دیون کا حکم:

اگر کسی کا مرتد کے ذمے قرض ہو اور وہ مر جائے تو حضرات صاحبین کے نزدیک اس کے مجموعہ ترکہ میں سے اس قرض کو ادا کیا جائے گا، چاہے وہ ترکہ اسلام کی حالت میں کمایا تھا یا ارتداد کے بعد، امام صاحب رحمہ اللہ سے اس کے متعلق متعدد روایات نقل کی گئی ہیں، ایک روایت یہ بھی ہے کہ حالت اسلام کے قرضوں کو اسی دور کی کمائی سے پورا کیا جائے گا اور زمانۂ ارتداد کے قرضوں کو اسی وقت کی کمائی سے پورا کیا جائے گا، البتہ راجح یہ ہے کہ اولاً حالت اسلام میں جمع کی ہوئی کمائی سے دین ادا کیا جائے، البتہ اگر دَین اس سے زیادہ ہو اور حالت اسلام کی کمائی اس کے لئے کافی نہ ہوتی ہو تو ارتداد کی حالت میں کی گئی کمائی سے دَین پورا کیا جائے۔ [بدائع الصنائع، كتاب السير، بيان أحكام المرتدين:۱۳۹/۷]

''الاختیار'' میں ہے:

وحلت الديون التى عليه ونقلت أكسابه فى الإسلام إلى ورثته المسلمين، وأكساب الردة فىء (سم)، وتقضى ديون الإسلام من كسب الإسلام، وديون الردة من كسبها (سم)، فإن عاد مسلمًا فما وجده فى يد وارثه من ماله أخذه.[، الاختيار، فصل المرتد:۱۴۶/۴]

مرتد کے ذمے قرضوں کی ادائیگی فوراً لازم ہوگی، حالت اسلام میں کمایا ہوا مال ورثاء کا حق جبکہ ارتداد کی حالت میں کمایا ہوا مال ''مال فیء'' شمار ہوگا، اسلام کی حالت میں لیے گئے قرضے اس کی حالت اسلام کی کمائی سے ادا کیے جائیں گے، اور ارتداد کے دیون ردت کی حالت میں کمائے ہوئے پیسوں سے، البتہ دوبارہ مسلمان ہوکر اگر وہ دارالاسلام آئے تو ورثاء کے پاس اس کا جتنا مال اپنی حالت میں موجود ہو اسے واپس لے سکتا ہے۔

مرتد کے تصرفات کا حکم:

مرتد کے تصرفات کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ وہ تصرفات جو بالاتفاق نافذ ہیں، یہ وہ تصرفات ہیں جن کے لیے کسی دِین وملت کا ہونا شرط نہ ہو، مثلاً: طلاق دینا۔

۲۔ وہ تصرفات جو بالاتفاق باطل ہیں، اس سے مراد وہ تصرفات ہیں جن کے لیے دین سماوی کا پابند ہونا شرط ہو، مثلاً نکاح اور ذبیحہ کا حلال ہونا۔

۳۔ وہ تصرفات جو بالاتفاق موقوف ہوں، مثلاً: شرکتِ مفاوضہ، چونکہ مفاوضہ کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں شریک سب کچھ حقوق وذمہ داریوں میں مساوی ہوں جبکہ مرتد بہت سے حقوق میں مسلمان کے ساتھ مساوی نہیں ہے۔

۴۔ وہ تصرفات جن کے نافذ ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہو، مثلاً: خرید وفروخت اور اجارہ داری وغیرہ۔ امام صاحب کے نزدیک یہ تصرفات موقوف ہیں، اگر وہ اسلام لے آیا تو نافذ ہوجائیں گے ورنہ نہیں، جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ تصرفات نافذ ہیں، البتہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا حکم مریض الموت کی طرح ہوگا، لہٰذا ثلث کی حد تک تصرفات نافذ ہوں گے جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک عام تندرست آدمی کا حکم ہوگا۔

''جامع صغیر'' میں ہے:

مرتد أعتق أو وهب أو باع أو اشترى ثم أسلم جاز ما صنع وإن لحق أو مات على ردته بطل ذلك كله وقال أبو يوسف ومحمد (رحمهما الله) يجوز ما صنع في الوجهين وقال محمد (رحمه الله) هو في ذلك بمنزلة المريض. [الجامع الصغير، باب الارتداد واللحاق بدار الحرب:۳۰۵۔وليراجع للاستزادة: الهداية في شرح بداية المبتدي :۴۰۸/۲، وشرح السير الكبير، باب ما يوقف من أمر المرتدين وما لا يوقف من ذلك:۱۹۲۲/۱]

اگر مرتد غلام آزاد کرے، ہبہ کرے، خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرے تو اسلام لانے کے بعد وہ نافذ ہونگیں البتہ ارتداد کی حالت میں مرنے یا دارالحرب منتقل ہونے سے یہ تمام تصرفات باطل ہونگیں۔

فائدہ: یہ اختلاف مرتد مرد کے بارے میں ہے، البتہ خدانخواستہ عورت مرتد ہو جائے تو چونکہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک وہ واجب القتل نہیں ہے، لہٰذا اگر وہ اس نوعیت کے تصرفات کرے تو نافذ ہو جائیں گی۔

زندیق کے احکام:

اگر کوئی شخص پہلے مسلمان تھا پھر خدانخواستہ زندیق بنا تو اس کا حکم تو وہی مرتد والا ہے جو پہلے ذکر کیا گیا، اور اگر کسی غیر مسلم شخص نے زندقہ اختیار کیا، چاہے وہ حربی ہو یا ذمی، تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ علامہ ابن کمال پاشا رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر ایسا شخص اپنے الحاد و زندقہ کی طرف لوگوں کو دعوت نہ دیتا ہو تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص ایک دین کفر سے دوسرے نوع کفر کی طرف پھر گیا مثلاً پہلے نصرانی یا مجوسی تھا اور پھر ہندو یا یہودی ہو گیا، اور اگر اپنے الحاد وزندقہ کی دعوت بھی دیتا ہو تو اس کو قتل کرنا ضروری ہے، البتہ اگر وہ پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرے اور اپنے زندقہ سے باز آنے کی یقین دہانی کرے تو ایسی صورت میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

علامہ ابن کمال پاشا رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعلم أنه لا يخلو، إما أن يكون معروفا داعيا إلى الضلال أو لا .والثانى ما ذكره صاحب الهداية فى التجنيس من أنه على ثلاثة أوجه: إما أن يكون زنديقا من الأصل على الشرك، أو يكون مسلما فيتزندق، أو يكون ذميا فيتزندق، فالأول يترك على شركه إن كان من العجم، أى بخلاف مشرك العرب فإنه لا يترك .والثانى يقتل إن لم يسلم لأنه مرتد .وفى الثالث يترك على حاله لأن الكفر ملة واحدة اه؟ والأول أى المعروف الداعى لا يخلو من أن يتوب بالاختيار ويرجع عما فيه قبل أن يؤخذ أولا، والثانى يقتل دون الأول.[رد المحتار مع الدر المختار و حاشية ابن عابدين، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب فى الفرق بين الزنديق والمنافق والدهرى والملحد:۲۴۱/۴]

زندیق کی دو قسمیں ہیں: یا جانا پہچانا اور اپنی گمراہی کی طرف دعوت دینے والا ہوگا یا نہیں، اگر دعوت نہ دے تو پھر اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: یا تو وہ ابتداء سے مشرک اور زندیق چلتا آئے گا، یا مرتد ہو کر زندیق بنا ہوگا، یا ذمی ہو کر زندیق ہوگا۔ اول قسم کے زنادقہ اگر عجم کے مشرکین ہو تو اسے اپنی حالت پر رہنے دیا جائے گا، البتہ عرب کے مشرکین کے لیے قتل کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ دوسری قسم زنادقہ چونکہ

مرتد ہیں وہ اگر اسلام قبول نہ کریں تو قتل کیے جائیں گے، تیسری قسم زنادقہ کو بھی اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ یہ بھی کافروں کی ایک قسم ہے اور تمام کفار درجہ میں برابر ہیں، البتہ زندیق کی پہلی قسم اگر گرفتاری سے پہلے اپنی رضامندی سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائے تو ٹھیک، ورنہ قتل کیا جائے گا۔

زندیق شخص کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟ اس کے متعلق فقہاء احناف کی آراء مختلف ہیں، قاضی خان رحمہ اللہ وغیرہ فقہاء کرام نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ اگر پکڑے جانے سے پہلے وہ سچی توبہ کرے تو قبول کی جائے گی اور قتل کا حکم ختم ہو جائے گا اور اگر پکڑے جانے کے بعد توبہ کرتا ہے تو قتل وغیرہ دنیوی احکام کی حد تک اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور قتل کیا جائے گا۔

''درمختار'' میں ہے:

ثم قال (و) كذا الكافر بسبب (الزندقة) لا توبة له، وجعله فى الفتح ظاهر المذهب، لكن فى حظر الخانية الفتوى على أنه (إذا أخذ) الساحر أو الزنديق المعروف الداعى (قبل توبته) ثم تاب لم تقبل توبته ويقتل، ولو أخذ بعدها قبلت.[الدر المختار:۲۴۱/۴]

جو شخص زندیق بن کر کفر اختیار کرے اس کی توبہ معتبر نہیں، مگر فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ: مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ ساحر اور اپنی گمراہی کی طرف داعی زندیق اگر توبہ کرنے سے پہلے گرفتار ہو جائیں، تو اس کا اعتبار نہ کر کے انھیں قتل کیا جائے گا، البتہ گرفتاری سے پہلے پہلے توبہ کرنے کی صورت میں اس کی توبہ معتبر ہوگی۔

زندیق داعی کا حکم:

یوں تو زندیق کا حکم وہی ہے جو مرتد کا ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا، البتہ اگر کوئی زندیق اپنے زندقہ کی طرف لوگوں کو دعوت بھی دیتا ہے تو اس کا معاملہ مرتد کی بنسبت زیادہ سنگین ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مرتد صریح طور پر لوگوں کو گمراہ بننے کا سبب نہیں بنتا، گو اپنے اقدام کی وجہ سے لوگوں کی گمراہی کا موجب بنے، لیکن لوگوں کو اپنی گمراہی کی طرف راغب نہیں کرتا، جبکہ زندیق باوجودیکہ کافر ہے لیکن اپنے کفر کو اسلام کی شکل میں پیش کرتا ہے اور دین اسلام ہی کے عنوان پر لوگوں کو اپنی طرف راغب کرتا ہے، اس لئے ایسا شخص واجب القتل تو ہے ہی، عام تجارتی تعلقات اور لین دین کی وجہ سے بھی جہاں اندیشہ ہو کہ لوگ اس کو مسلمان سمجھنا شروع کریں گے یا کچھ لوگ اس کے ناجائز منصوبہ کا ہدف بن جائیں گے وہاں ایسے تعلقات سے بھی احتراز کرنا ضروری ہے۔

''صحیح مسلم'' کی روایت ہے:

"حدثنی أبو شریح أنه سمع شراحيل بن يزيد، يقول: أخبرنی مسلم بن يسار، أنه سمع أبا هريرة، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يكون فی آخر الزمان دجالون كذابون، يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم، ولا آباؤكم، فإياكم وإياهم، لا يضلونكم، ولا يفتنونكم."

[صحيح مسلم، باب فی الضعفاء الكذابين ومن يرغب عن حديثهم]

آپ ﷺ کا ارشادگرامی ہے: آخری دور میں کئی جھوٹ بولنے والے اور فریب کرنے والے لوگ ہونگے، جو آپ کو نئی نئی احادیث سنائیں گے، جو آپ نے یا آپ کے بڑوں نے نہیں سنے ہونگے، ان سے دور رہو، تا کہ تمھیں گمراہ کر کے مصیبت میں نہ ڈالیں۔

محدث ابن وضاح قرطبی رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ نقل فرماتے ہیں:

عن معاذ بن جبل قال:"تكون فتنة يكثر فيها المال ويفتح فيها القرآنحتى يقرأه المؤمنوالمنافقوالرجلوالمرأة والصغير والكبيرفيقرأه الرجل سرا فلا يتبعفيقول: ما أتبع فوالله لأقرأنه علانية ,فيقرأه علانية فلا يتبعفيتخذ مسجدا ويبتدع كلاما ليس من كتاب اللهولا من سنة رسول الله صلى الله عليه وسلمفإياكم وإياه؛ فإنها بدعة ضلالة وإياكم وإياه؛ فإنها بدعة ضلالةفإياكم وإياه؛ فإنها بدعة ضلالة ثلاثا."[البدع لابن وضاح:٦٠]

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عنقریب ایسا فتنہ ہوگا جس میں مال کی بہتات ہوگی، جس میں قرآن کھول کر مسلمان ہو یا منافق مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا سب اسے پڑھیں گے، کوئی ماننے والا نہ ہوگا، چپکے چپکے سنانے سے مجبور ہو کر آدمی علانیہ سنانے کی قسم کھائے گا پھر بھی ناامید ہوگا، مجبور ہو کر وہ مسجد کا رخ کر کے اپنی طرف سے باتیں ایجاد کرے گا، جس کا اللہ تعالیٰ کے کلام یا رسول اللہ ﷺ کے احادیث کے ساتھ کچھ واسطہ نہ ہوگا، آپ نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ: اس قسم لوگوں سے بچتے رہنا کیونکہ یہ بدعت اور گمراہی ہے۔

ان روایات کا ایک بڑا مصداق زندیق داعی ہے، لہٰذا ایسے افراد کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعلقات رکھنے سے گریز ہی کرتے رہنا چاہئے۔

اِلحادوزَندقہ کاعصری جائزہ:

موجودہ زمانہ میں الحاد وزندقہ کا ایک طوفان ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا، آئے دن طرح طرح کے فتنے اور رنگ برنگ گمراہیاں معاشرے میں اپنا ڈیرا ڈالتی رہتی ہیں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان

فتنوں کا خاتمہ کب اور کیسے ہو! خدا کرے کہ جلد ہی فتنوں کے تاریک بادل چھٹ جائیں۔ قابلِ افسوس امر یہ ہے کہ ماضی کی بنسبت الحاد وزندقہ کے دواعی واسباب اور اس کے لیے سازگار ماحول آج کل زیادہ ہے اس لئے بیسیوں شکلوں میں اس کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے، البتہ بنیادی طور پر الحاد وزندقہ کی دو ظاہری صورتیں ہیں: ایک دین کے جامہ میں الحاد کا زہر اور دوسری شکل دنیا کے عنوان سے الحاد کا سیلاب ہے۔

جہاں تک پہلی صورت ہے تو اس کا مظاہرہ قادیانیت، آغاخانیت، رافضیت، انکار حدیث وغیرہ طرح طرح جماعتوں کی شکل میں ہوتا ہے جو نام اور عنوان دین اسلام ہی کا استعمال کرتے ہیں لیکن اعتقاد ونظریہ کفریہ رکھتے ہیں، خود کو مسلمان ہی ظاہر کرتے ہیں بلکہ پورے زور کے ساتھ اس کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ساتھ متعدد دینی قطعی احکام کا انکار بھی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی اپنی اس گمراہی کی دلدل میں دھکیلنے اور پھنسانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے، جس کی وجہ سے امت مرحومہ کی ایک بڑی تعداد ان کے جال تزویر میں الجھ کر دین اسلام اور اس کے صراط مستقیم سے دور اور بہت دُور جا پڑی ہیں۔

رہی زندقہ والحاد کی دوسری صورت یعنی دنیا کے نام سے الحاد، تو اس کا مظاہرہ دین حق کے مقابلہ میں مختلف نظام ہائے زندگی کو اپنانے اور اس کو اپنے دین وعقیدہ کی حد تک اختیار کرنے کی شکل میں ہوتا ہے، اس کے لئے مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے مختصر اور مفید رسالہ "ردّۃ ولاابا بکر لھا" کی طرف مراجعت کرنا مفید بلکہ ضروری ہے جس کا اردو ترجمہ بھی ہوا ہے۔

یاد رہے کہ امت مسلمہ کے لئے عام کفار کی بنسبت زنادقہ زیادہ خطرناک اور مضر ثابت ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ آستین کے سانپ کی مانند دین ہی کے نام پر کفر پھیلاتے ہیں، اسلام کے دعویٰ پر بے دینی کو فروغ دیتے ہیں جس کی وجہ سے اسلامی جمعیت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور ان کی باتوں میں آکر کئی مسلمان اسلام کی نعمت سے نہ چاہتے ہوئے بھی محروم رہ جاتے ہیں جبکہ عام کافر اس قدر نقصان نہیں کرسکتا، اس لئے خیرخواہانِ ملت اور غمخوارانِ دین کی ذمہ داری ہے کہ ان کی طرف سے اطمینان میں نہ رہیں بلکہ ان کے متعلق جو کچھ شرعی احکام ہیں، ان کو نافذ کرنے کی کوشش کی جائے اور جہاں یہ بات ممکن نہ ہو وہاں کم از کم ان کی گمراہیوں سے امت کے سرمایہ کو بچانے کی مقدور بھر کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

عبیدالرحمٰن

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم الرحمانیہ مردان

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ

☆......☆......☆......☆

تحقیق وترتیب: مولانا مفتی عبدالصمد ساجد [معین دارالافتاء: جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودھا]

زندیق کی تعریف اور شرعی حکم

''احقر نے یہ جواب بغور پڑھا، بحمداللہ اپنے موضوع پر کافی شافی ہے۔ جزی اللہ المجیب خیر الجزاء. سوال میں جن لوگوں کے بارہ میں سوال کیا گیا ہے شرعی اعتبار سے جب وہ زندیق ہیں اور زندیق کی سزا اِسلامی حکومت میں قتل ہے، جس کی ذمہ داری حکومتِ اسلامیہ پر ہے تو پھر انہیں مراعات اور عہدے دینا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ شرعاً اس کی گنجائش نہیں ہے، سوائے اس صورت کے جس میں ان کی توبہ قبول ہوتی ہے۔'' فقط۔احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ ۱۴۳۹/۴/۱۸ھ

الاستفتاء: محترم ومکرم مفتی صاحب! ایک شخص جو کہ شریعت مطہرہ اور آئینِ پاکستان دونوں کی رو سے غیر مسلم ہے مگر اپنے آپ کو مسلم ظاہر کرتا ہے، مزید برآں ایسی مراعات اور عہدے جو مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں وہ حاصل کرتا ہے۔

اس شخص کا کیا حکم ہے؟ نیز شرع اسلامی میں اس کی کیا سزا ہے؟ تاریخ اسلامی کے علمی ذخیرے میں اس کی کوئی نظیر مل سکے تو بھی نشان دہی فرمادیں۔ جزاکم الله خیراً۔ مستفتی: رضوان نفیس (لاہور)

الجوابُ حامداً وّ مصلّیاً وّ مسلّماً

ایسا شخص جو کفریہ عقائد رکھتا ہو لیکن اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہو یا اپنے کفریہ عقائد کو باطل تاویلات سے اسلام باور کراتا ہو، شریعت میں اسے زندیق کہتے ہیں، زندقہ کفر کا انتہائی درجہ ہے، جیسے ہمارے ہاں قادیانی، اسماعیلی اور غالی روافض۔ کما صرح به الشیخ موسیٰ الروحانی البازی رحمه اللّٰه فی رسالته التحقیق فی الزندیق کما سیأتی مفصّلاً۔إن شاء اللّٰه تعالیٰ۔

شرعاً زندیق مرتد کی طرح واجب القتل ہے، البتہ اتنا فرق ہے کہ مرتد کی توبہ قبول کی جائے گی جبکہ زندیق کی توبہ بعض اہل علم کے نزدیک قبول کی جاتی ہے اور بعض کے نزدیک قبول نہیں کی جاتی، حنفیہ کا راجح اور مفتیٰ بہ مذہب یہ ہے کہ: ایسا زندیق جو دوسروں کو بھی زندقہ اور بے دینی کی طرف دعوت دیتا ہو، قضاءً اس کی توبہ قبول نہ ہوگی، یعنی اگر توبہ سے پہلے گرفتار ہوجائے تو اسے قتل کردیا جائے گا اور توبہ قبول نہ ہوگی۔ اور اگر گرفتار ہونے سے پہلے خود توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہوگی اور سزا معاف ہوجائے گی۔ اور اگر زندقہ و الحاد کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی جیسا کہ علامہ شامی اور قاضی خان وغیرہ نے اس کی وضاحت کی ہے، تاریخ اسلامی میں اس کی بڑی مثال مسیلمہ کذاب اور اس کے متبعین ہیں۔

اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ زنادقہ پر ان کی شرعی سزا قتل جاری کرے، لیکن عام شخص کو قانون ہاتھ میں لے کر انہیں قتل کرنے کی اجازت نہیں، نیز ایسے لوگوں کو مسلمان ملک میں سرکاری مراعات اور عہدے دینا شرعاً ناجائز اور مسلمانوں کے دین و دنیا کے لیے انتہائی مضر اور نقصان دہ ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ کا رسالہ مفیدہ ''ایمان وکفر'' اور شیخ مشایخنا المحدث المفسر الفیلسوف العلام محمد موسیٰ خان الروحانی البازی نور اللہ مرقدہ کا مقالہ عظیمہ ''التحقیق فی الزندیق ''جس کی تلخیص حضرت نے خود مقدمۃ شرح البیضاوی (ج۲) میں فرمائی ہے۔ مختصراً کچھ دلائل مع ترجمہ ضروری عبارات پیش خدمت ہیں۔

قال اللّٰه تبارک و تعالیٰ. [فصلت:۴۰] إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ.

ترجمہ: بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں سو بھلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن وامان کے ساتھ آئے؟، جو جی چاہے کرلو، وہ تمہارا کیا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

و فی مسند أحمد (۱۰/۱۰۸، رقم الحدیث ۵۸۶۷) عن ابن عمر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " :سيكون فی هذه الأمة مسخ، ألا وذاك فی المكذبين بالقدر والزنديقية .

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب اس امت میں مسخ ہوگا، یاد رکھو یہ تقدیر کا انکار کرنے والوں اور زنادقہ میں ہوگا۔

و فیه أیضاً (۴/۳۳۶، رقم الحدیث ۲۵۵۲) عن عكرمة أن عليا رضی الله عنه، أتی بقوم من هؤلاء الزنادقة ومعهم كتب، فأمر بنار فأججت، ثم أحرقهم وكتبهم، -قال عكرمة - :فبلغ ذلك ابن عباس فقال :لو كنت أنا لم أحرقهم لنهی رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولقتلتهم لقول رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: "من بدل دينه فاقتلوه "وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لاتعذبوا بعذاب الله عز وجل."

ترجمہ: حضرت عکرمہ سے منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ زنادقہ کی ایک جماعت پر تشریف لائے جبکہ ان کی کتب بھی ان کے ساتھ تھیں اور آگ جلانے کا حکم فرمایا تو آگ بھڑکائی گئی، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اور ان کی کتب کو جلا ڈالا، حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ بات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ: اگر میں ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کی وجہ سے انہیں آگ میں نہ جلاتا، لیکن ان کو قتل کردیتا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو اپنا دین بدل لے اسے قتل کرڈالو اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے عذاب نہ دو۔

نوٹ: شیخ المحدثین مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے بحوالہ فتح الباری

رقم طراز ہیں:

”ممکن ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ مذہب ہو کہ امام کو اختیار ہے کہ کسی مرتد کو تغلیظ اور تشدید کے لیے آگ میں جلا دے......(نیز) قتل کر کے آگ میں ڈالنا بالاتفاق جائز ہے کلام احراق حي میں ہے، بظاہر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کے بعد جلایا، مسئلہ تعذیبِ حیوان بالنار کے لیے شرح سیر کبیر ج ۲، ص ۲۷۴ کی طرف مراجعت کی جائے۔“

[احسن البیان فی تحقیق مسئلة الکفر و الایمان **مع مجموعہ رسائل ردقادیانیت، ص ۴۴۵، ۴۴۶**]

و فـی المعجم الصغیر للطبرانی [۱۸۶/۲، رقم الحدیث ۵۹۴۴، مکتبة ابن تیمیة، قاهره) عـن سهـل بن سعد الساعدی، عن النبی صلی الله علیه و سلم قال :ما کانت زندقة، إلا کان بین یدیه التکذیب بالقدر.

و فـی رد الـمحتار [کتاب الجهاد، فصل فی الجزیة، مطلب الزندیق إذا أخذ قبل التـوبة یقتل ولا تؤخذ منه الجزیة :۱۹۹/۴، دار الفکر، بیروت] (تـنبیه)قال فی الفتح قالوا لـو جـاء زنـدیـق قبـل أن یـؤخذ فأخبر بأنه زندیق وتاب تقبل توبته، فإن أخذ ثم تاب لا تقبل توبته ویقتل لأنهم باطنیة یعتقدون فی الباطن خلاف ذلك فیقتل ولا تؤخذ منه الجزیة .اهـ. وسیأتی فی باب المرتد أن هذا التفصیل هو المفتی به.

ترجمہ: حافظ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا ہے کہ فقہاء نے فرمایا کہ اگر کوئی زندیق گرفتار ہونے سے پہلے آکر یہ بتادے کہ وہ زندیق تھا اور اس نے توبہ کر لی ہے، تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔ لیکن اگر گرفتار ہو گیا اور پھر توبہ کی تو توبہ قبول نہ ہوگی اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس لیے کہ یہ باطنیہ ہیں، باطن میں ظاہر کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں، لہٰذا اسے قتل کر دیا جائے گا اور جزیہ نہیں لیا جائے گا، آگے باب المرتد میں آ رہا ہے کہ فتویٰ اسی تفصیل پر ہے۔

و فیـه أیـضـا [کتاب الجهاد، باب المرتد،مطلب فی الفرق بین الزندیق والمنافق والدهری والملحد:۲۴۱/۴](قوله وکذا الکافر بسبب الزندیق) قال العلامة ابن کمال باشا فـی رسالته :الـزنـدیـق فـی لسـان الـعرب یطلق علی من ینفی الباری تعالی، وعلی من یثبت الشریك، وعلی من ینکر حکمته .والـفرق بینه وبین المرتد العموم الوجهی لأنه قد لا یکون مـرتـدا، کـمـا لـو کان زندیقا أصلیا غیر منتقل عن دین الإسلام، والمرتد قد لا یکون زندیقا کـما لو تنصر أو تهود، وقد یکون مسلما فیتزندق .وأمـا فی اصطلاح الشرع، فالفرق أظهر لاعتبـارهم فیه إبطان الکفر والاعتراف بنبوة نبینا -صلی الله علیه وسلم -علی ما فی شرح المقاصد، .... ثـم بین حکم الزندیق فقال : اعلم أنه لا یخلو، إما أن یکون معروفا داعیا إلی الضلال أو لا. والثـانـی مـا ذکـره صاحب الهدایة فی التجنیس من أنه علی ثلاثة أوجه :إمـا أن یکون زندیقا من الأصل علی الشرك، أو یکون مسلما فیتزندق، أو یکون ذمیا فیتـزنـدق، فـالأول یتـرك عـلـی شـرکه إن کان من العجم، أی بخلاف مشرك العرب فإنه لا یترك .والثـانی یقتل إن لم یسلم لأنه مرتد. وفی الثالث یترك علی حاله لأن الکفر ملة واحدة

اھ والأول أي المعروف الداعي لا يخلو من أن يتوب بالاختيار ويرجع عما فيه قبل أن يؤخذ أولا، والثاني يقتل دون الأول.

و في فتح القدير (كتاب الجهاد، باب الجزية، ٦/٥٠، دار الفكر، بيروت) وأما الزنادقة قالوا: لو جاء زنديق قبل أن يؤخذ فأخبر أنه زنديق وتاب تقبل توبته، فإن أخذ ثم تاب لاتقبل توبته ويقتل لأنهم باطنية يعتقدون في الباطن خلاف ذلك فيقتل ولاتؤخذ منه الجزية.

ترجمہ: جہاں تک زنادقہ کا حکم ہے تو فقہاء نے فرمایا کہ اگر کوئی زندیق گرفتار ہونے سے پہلے آ کر یہ بتا دے کہ وہ زندیق تھا اور اس نے توبہ کر لی ہے تو اس کی توبہ قبول ہوگی لیکن اگر گرفتار ہو گیا اور پھر توبہ کی تو توبہ قبول نہ ہوگی اور اسے قتل کر دیا جائے گا، اس لیے کہ یہ باطنیہ ہیں، باطن میں ظاہر کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں، لہٰذا اسے قتل کر دیا جائے گا اور جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

و في الدر المختار مع رد المحتار (كتاب الجهاد، باب المرتد، ۴/۲۴۲) (و) كذا الكافر بسبب (الزندقة) لا توبة له، وجعله في الفتح ظاهر المذهب، لكن في حظر الخانية الفتوى على أنه (إذا أخذ) الساحر أو الزنديق المعروف الداعي (قبل توبته) ثم تاب لم تقبل توبته ويقتل، ولو أخذ بعدها قبلت.

ترجمہ: اور یہی حکم زندقہ کے سبب کافر ہو جانے والے کا کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، فتح القدیر میں اسی کو ظاہر مذہب قرار دیا ہے لیکن خانیہ کے باب الحظر میں ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ جادوگر یا زندیق جو معروف اور داعی ہو اگر توبہ سے پہلے گرفتار کر لیا جائے اور پھر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی اور اسے قتل کر دیا جائے گا اور اگر توبہ کے بعد گرفتار ہوا تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔

و قال العلامة الشامي تحت عبارة الدر هذه: (قوله المعروف) أي بالزندقة الداعي أي الذي يدعو الناس إلى زندقته .اهـ .ح .فإن قلت: كيف يكون معروفا داعيا إلى الضلال، وقد اعتبر في مفهومه الشرعي أن يبطن الكفر .قلت: لا بعد فيه، فإن الزنديق يموه كفره ويروج عقيدته الفاسدة ويخرجها في الصورة الصحيحة، وهذا معنى إبطان الكفر، فلا ينافي إظهاره الدعوى إلى الضلال وكونه معروفا بالإضلال اهـ.

صاحبِ درمختار کے قول معروف کا مطلب یہ ہے کہ زندقہ سے معروف ہو اور داعی ہو یعنی اس زندقہ اور بے دینی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہو، اگر آپ یہ فرمائیں کہ وہ معروف کیسے ہوگا کہ وہ ضلالت و گمراہی کی طرف داعی ہے، حالانکہ زندیق کے شرعی مفہوم میں اس بات کا اعتبار فرمایا ہے کہ زندیق اپنے کفر کو چھپاتا ہے (تو پھر معروف کیسے ہوگا؟) تو جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی بعید بات نہیں ہے کیونکہ زندیق اپنے کفر پر اسلام کا لیبل لگاتا ہے اور اپنے غلط عقیدہ کی ترویج کرتا اور اسے صحیح صورت میں پیش کرتا ہے، کفر چھپانے کا یہی مطلب ہے۔ لہٰذا اس کا اسلام کا اظہار داعی الی الضلال ہونے اور ضال و مضل سے معروف ہونے کے منافی نہیں ہے۔

و في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر [كتاب الجهاد، فصل في بيان أحكام الجزية: ۱/۶۷۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت] فلا توضع أيضا على زنديق لأنه

يعتقد في الباطن خلاف الظاهر بل إن جاء قبل أن يؤخذ وأقر أنه زنديق وتاب تقبل توبته وإن بعد الأخذ يقتل ولا تقبل توبته ولذا قال الإمام اقتلوا الزنديق وإن قال تبت وأمواله وذريته فيء لأهل الإسلام.

ترجمہ: زندیق پر بھی جزیہ مقرر نہیں کیا جائے کیونکہ وہ دل میں ظاہر کے خلاف اعتقاد رکھتا ہے بلکہ اگر وہ پکڑے جانے سے پہلے آ جائے اور اقرار کرلے کہ وہ زندیق تھا اور اس نے توبہ کرلی تو اس کی توبہ قبول ہوگی اور اگر گرفتار ہونے کے بعد کی تو قتل کر دیا جائے گا اور توبہ قبول نہ ہوگی، اسی وجہ سے امام صاحب رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ زندیق کو قتل کردو اگر چہ وہ کہہ دے کہ میں نے توبہ کرلی ہے اور اس کا مال اور اولاد مسلمانوں کے لیے مال فئے ہے۔

و في البحر الرائق [كتاب السير :۵/۱۳۶] لا تقبل توبة الزنديق في ظاهر المذهب وهو من لا يتدين بدين وأما من يبطن الكفر والعياذ بالله تعالى ويظهر الإسلام فهو المنافق ويجب أن يكون حكمه في عدم قبولنا توبته كالزنديق لأن ذلك في الزنديق لعدم الاطمئنان إلى ما يظهر من التوبة إذا كان قد يخفي كفره الذي هو عدم اعتقاده دينا والمنافق مثله في الإخفاء وعلى هذا فطريق العلم بحاله إما بأن يعثر بعض الناس عليه أو يسره إلى من أمن إليه والحق أن الذي يقتل ولا تقبل توبته هو المنافق فالزنديق إن كان حكمه ذلك فيجب أن يكون مبطنا كفره الذي هو عدم التدين بدين ويظهر تدينه بالإسلام أو غيره إلى أن ظفرنا به وهو عربي وإلا لو فرضناه مظهرا لذلك حتى تاب يجب أن لا يقتل وتقبل توبته كسائر الكفار المظهرين لكفرهم إذا أظهروا التوبة وكذا من علم أنه ينكر في الباطن بعض الضروريات كحرمة الخمر ويظهر اعتقاد حرمته كذا في فتح القدير وفي الخانية قالوا إن جاء الزنديق قبل أن يؤخذ فأقر أنه زنديق فتاب عن ذلك تقبل توبته إن أخذ ثم تاب لم تقبل توبته ويقتل اهـ.

و في فتاوى قاضي خان على هامش الهندية. [كتاب الحظر و الإباحة:۳/۴۲۹] و قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى إذا تاب الساحر قبل أن يؤخذ تقبل توبته و لا يقتل و إن أخذ ثم تاب لم تقبل توبته و يقتل و كذا الزنديق المعروف الداعي و الفتوى على هذا القول.

ترجمہ: فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب ساحر گرفتاری سے پہلے توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہوگی اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور اگر پکڑا گیا اور پھر توبہ کی تو توبہ قبول نہ ہوگی اور اسے قتل کر دیا جائے گا، اور معروف داعی زندیق کا بھی یہی حکم ہے۔ اور فتویٰ اسی قول پر ہے۔

و فيه أيضا [كتاب السير، فصل في أهل الذمة و ما يؤخذ منهم من الجزية: ۳/۵۸۸] قالوا إن جاء الزنديق قبل أن يؤخذ فأقرّ أنه زنديق فتاب عن ذلك قبلت توبته وإن أخذ ثم تاب لا تقبل توبته ويقتل لأنهم باطنية يظهرون الإسلام ويعتقدون في الباطن خلاف ذلك فيقتلون ولا تقبل توبتهم ولا تؤخذ منهم الجزية.

ترجمہ: فقہاء نے فرمایا کہ اگر کوئی زندیق گرفتار ہونے سے پہلے آ کر یہ اقرار کرلے کہ وہ زندیق تھا اور اس نے زندقہ سے توبہ کرلی ہے تو اس کی توبہ قبول ہوگی لیکن اگر گرفتار ہوگیا اور پھر توبہ کی تو توبہ قبول نہ

ہو گیا اور اسے قتل کر دیا جائے گا، اس لیے کہ یہ باطنیہ ہیں جو اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور باطن میں ظاہر کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں لہٰذا انہیں قتل کر دیا جائے گا اور ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

و فی أحکام القرآن للجصاص [۱/۶۴، **دار الکتب العلمیة، بیروت**] قال أبو حنیفة" :اقتلوا الزندیق سرا فإن توبته لا تعرف ."ولم یحك أبو یوسف خلافه ویصح بناء مسألة الساحر علیه ;لأن الساحر یکفر سرا فهو بمنزلة الزندیق فالواجب أن لا تقبل توبته .وقولهم فی ترك قبول توبة الزندیق، یوجب أن لا یستتاب الإسماعیلیة وسائر الملحدین الذین قد علم منهم اعتقاد الکفر کسائر الزنادقة وأن یقتلوا مع إظهارهم التوبة.

و فی الهندیة [کتاب الکراهیة، الباب الثلاثون،قبیل کتاب التحرّي :۵/۳۸۱، دار الفکر، بیروت] الخناق والساحر یقتلان لأنهما یسعیان فی الأرض بالفساد وإن تابا لم یقبل ذلك منهما وإن أخذا ثم تابا لم یقبل منهما ویقتلان وکذا الزندیق المعروف الداعی وبه یفتی کذا فی خزانة المفتین.

ترجمہ: خناق (گلا دبا کر مارنے کا عادی) اور ساحر (جادوگر) کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ یہ دونوں زمین فساد پھیلانے کی کوشش میں رہتے ہیں اور اگر توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول نہ ہوگی اور اگر گرفتار ہو گئے پھر توبہ کی تو ان کی توبہ قبول نہ ہوگی اور انہیں قتل کر دیا جائے گا، زندیق معروف اور داعی کا بھی یہی حکم ہے، خزانة المفتین میں یوں ہی ہے۔

و قال الإمام محمد عبدالحی اللکنوی فی القول الجازم فی سقوط الحد بنکاح المحارم.[۱۰۵]إن الساحر أو الزندیق الداعی إذا أخذ قبل توبته ثم تاب لم تقبل توبته ویقتل، ولو أخذ بعدها قبلت.

ترجمہ: جادوگر یا زندیق داعی اگر توبہ سے پہلے گرفتار کر لیا جائے اور پھر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی اور اسے قتل کر دیا جائے گا اور اگر توبہ کے بعد گرفتار ہوا تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔

و فی الموسوعة الفقهیة الکویتیة. [الحکم بکفر من تزندق :۲۴/۴۹، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامیة. الکویت] یتفق الفقهاء علی أن الزندقة کفر، فمن کان مسلما ثم تزندق، بأن صار یبطن الکفر ویظهر الإسلام، أو صار لا یتدین بدین، فإنه یعتبر کافرا، إلا أن الفقهاء اختلفوا فی استتابته وفی قبول توبته وبیان ذلك فیما یلی :یفرق الحنفیة والمالکیة بین من تاب قبل الاطلاع علیه والعلم بزندقته، وبین من أخذ قبل أن یتوب، فمن کان زندیقا ثم تاب إلی الله ورجع عن زندقته، وتقدم معلنا توبته قبل أن یعرف ذلك عنه قبلت توبته ولا یقتل، وهذا هو مذهب المالکیة وفی روایة عند الحنفیة، فقد ذکر صاحب الدر المختار نقلا عن الخانیة أن الفتوی علی أن الزندیق إن أخذ بعد أن تاب قبلت توبته وبهذا قال أبو حنیفة والقول الثانی عند الحنفیة أنه یقتل ولا تقبل توبته.وإن اطلع علیه قبل أن یتوب ورفع إلی الحاکم فلا تقبل توبته ویقتل، وطریق العلم بحاله إما باعترافه أو بشهادة بعض الناس علیه، أو یسر هو بحاله إلی من أمن إلیه.

ترجمہ: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ زندقہ کفر ہے، پس جو شخص مسلمان تھا اور پھر زندیق ہو گیا، اس

طرح کہ کفر چھپانے لگا اور اسلام کا اظہار کرنے لگا یا بے دین ہو گیا تو اسے کافر سمجھا جائے گا، ہاں فقہاء کا اس سے توبہ کے مطالبہ کرنے اور توبہ قبول کرنے میں اختلاف ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ ایسے زندیق میں کہ جس کی خبر ہونے سے پہلے اور اس کے زندقہ معلوم ہونے سے پہلے توبہ کر لے اور اس زندیق میں کہ جو توبہ سے پہلے گرفتار ہو جائے فرق کرتے ہیں، چنانچہ جو زندیق تھا پھر اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لی اور زندقہ سے واپس لوٹ آیا اور زندقہ معروف ہونے سے پہلے اس نے توبہ کا اعلان کر دیا تو اس کی توبہ قبول ہوگی اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا، مالکیہ کا یہی مذہب ہے۔ اور ایک روایت میں حنفیہ کا بھی۔ صاحبِ درمختار نے خانیہ سے نقل کرتے ہوئے ذکر فرمایا ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ اگر توبہ کے بعد پکڑا جائے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ حنفیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، اور اگر توبہ سے پہلے اس کی خبر ہوگئی اور معاملہ حاکم کے پاس چلا گیا تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی اور اسے قتل کر دیا جائے، اور اس کا حال معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یا تو خود اقرار کر لے یا کچھ لوگ اس کے خلاف گواہی دے دیں یا یہ کہ وہ اپنا حال راز کے طور پر ایسے شخص سے بیان کر دے جس پر اسے اطمینان ہو۔

و فی إكفار الملحدين للإمام أنور شاه الكشميري [۱۳/ **المجلس العلمي، كراتشي**، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء) قال :التفتازاني في "مقاصد الطالبين في أصول الدين :"الكافر إن أظهر الإيمان خص باسم "المنافق"......وإن أبطن عقائد هي كفر بالإتفاق "فبالزنديق." وقال في شرحه :قد ظهر أن" :الكافر "اسم لمن لا إيمان له :فإن أظهر الإيمان خص باسم المنافق، وإن طرأ كفره بعد الإسلام خص باسم المرتد، لرجوعه عن الإسلام...........وإن كان مع اعترافه بنبوة النبي -صلى الله عليه وسلم -وإظهاره شعائر الإسلام يبطن عقائد هي كفر بالإتفاق، خص باسم الزنديق، وهو في الأصل منسوب إلى :الزند، اسم كتاب أظهر مزدك أيام قباد :وزعم أنه تأويل كتاب المجوس الذي جاء به زرادشت .الذي يزعمون أنه نبيهم. قوله" :المعروف "اهـ .فإن الزنديق يموه يكفره، ويروج عقيدته الفاسدة، ويخرجها في الصورة الصحيحة، وهذا معنى إبطان الكفر، فلا ينافي إظهاره الدعوى إلى الضلال، وكونه معروفاً بالإضلال اهـ .ابن كمال.و قيل لا يقبل إسلامه إن ارتد إلىٰ كفر خفي كزنادقة و باطنية ، فالمراد بإبطان بعض عقائد الكفر ليس هو الكتمان من النّاس بل المراد أن يعتقد ما يخالف عقائد الإسلام مع ادعائه إياه و حكم المجموع من حيث المجموع الكفر لا غير ، و في المسند عن ابن عمر قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:"سيكون في هذه الأمة مسخ، ألا وذاك في المكذبين بالقدر والزنديقية . قال في الخصائص سنده صحيح و في منتخب كنز العمّال مرفوعاً ما يفسّره.

و فيه أيضا [۴۴،۴۵] وإن اعترف به ظاهراً لكنه يفسر بعض ما ثبت من الدين ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعون وأجمعت عليه الأمة فهو الزنديق......ثم التأويل تأويلان :تأويل لا يخالف قاطعاً من الكتاب والسنة واتفاق الأمة، وتأويل يصادم ما ثبت

بالقاطع، فذلك الزندقة.

اور اگر ظاہراً تو اسلام کا اقرار کرتا ہو لیکن بعض ضروریاتِ دین کی تشریح حضرات صحابہ کرام، تابعین عظام اور اجماع امت کے خلاف کرتا ہو تو ایسا شخص زندیق ہے۔......نیز تاویل دو طرح کی ہے ایک وہ تاویل جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت کسی قطعی بات کے مخالف نہ ہو اور دوسری ایسی تاویل جو دلیل قطعی سے ثابت کسی حکم سے ٹکرا رہی ہو یہ (دوسری تاویل) زندقہ ہے۔

قال الشيخ الإمام محمد ادريس كاندهلوى رحمه الله تعالى [فى المقالة المفيدة: أحسن البيان فى تحقيق مسئلة الكفر و الإيمان، مع مجموعة الرسائل فى رد القاديانية :۴۲۶، ناشر: عالمى مجلس تحفظ ختم نبوت باكستان] ''جو شخص ظاہر اور باطن میں دین اسلام کا منکر ہو وہ کافر ہے اور جو ظاہر میں مقر اور باطن میں منکر ہو وہ منافق ہے اور جو شخص دین اسلام کا تو دل سے مقر ہو مگر ضروریاتِ دین میں ایسی تاویلیں کرتا ہو جس سے شریعت کی حقیقت اور غرض و غایت ہی بدل جائے تو ایسا شخص اصطلاح شریعت میں ملحد اور زندیق کہلاتا ہے اور جس طرح منافق کا حکم کافر سے اشد ہے اسی طرح ملحد اور زندیق کا حکم منافق سے اشد ہے اور الحاد اور زندقہ درحقیقت نفاق کی اعلیٰ ترین قسم ہے، جس طرح منافق ملمع کاری سے کام لیتا ہے، اسی طرح ملحد اور زندیق اپنے عقائد کفریہ پر تاویل فاسد کے ذریعہ اسلامی صورت کا ملمع کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ لوگ اسلام کے دھوکہ میں اس کے باطنی کفر کو قبول کر لیں''

و فى الفقه الإسلامي و أدلته للزحيلي [القسم الخامس :الفقه العام، الباب الأول الحدود الشرعية، توبة الزنديق :۵۵۶۱/۷، دار الفكر، دمشق] واختلف العلماء فى توبة الزنديق، فقال العترة من الزيدية، وأبو حنيفة ومحمد والشافعي :تقبل توبة الزنادقة ولا يقتلون؛ لعموم قوله تعالى :(قل للذين كفروا :إن ينتهوا يغفر لهم ما قد سلف) (الأنفال:٨) وقال مالك وأبو يوسف والجصاص :لا تقبل توبتهم، فإذا عثر على الزنديق قتل ولا يستتاب، ولا يقبل منه ادعاء التوبة إذ يعرف منه عادة التظاهر بالتوبة تقية، بخلاف ما يبطنه، واستثنى الإمام مالك من جاء تائباً قبل ظهور زندقته فتقبل توبته ـ والمفتى به فى مذهب الحنفية أن الزنديق إذا أخذ قبل توبته ثم تاب لم تقبل توبته ويقتل، ولو أخذ بعدها قبلت.

و فى شرح النقاية [۱۲۲/۵]ولا توضع أيضا على زنديق، بل إن جاء قبل أن يؤخذ وأقر أنه زنديق وتاب تقبل توبته، وإن أخذ ثم تاب يقتل ولا تقبل (توبته ولا)منه الجزية، لأنه يعتقد فى الباطن خلاف الظاهر.

قرآن کریم نے کفر کی اس خطرناک اور بدترین صورت کو الحاد قرار دیا ہے اور حدیثِ پاک میں اسے زندقہ کہا گیا ہے اور فقہاء کرام اسے کبھی باطنیت کہتے ہیں اور کبھی زندقہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

[جواهر الفقه:۲۹/۱، مکتبہ دار العلوم، کراچی، طبع قدیم]

فقط: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعلمہ اُتم واحکم......۱۸/ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ......۶/جنوری/۲۰۱۸ء

ابن احمد قسط:۱۱

مفتی محمد زاہد صاحب فیصل آبادی......افکار ونظریات

......سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر عدمِ فضیلت کا اعتراض......

سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیے جانے والے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں ''اَحادیث'' موجود نہیں ہیں یا ''اَحادیثِ صحیحہ'' نہیں ہیں کہ جن سے آپ کی فضیلت ثابت ہو سکے۔ بلفظہ یہ اعتراض جناب مفتی محمد زاہد صاحب بھی دہراتے ہیں، نہ جانے اس کا مقصد کیا ہے۔ لیکن جس پیرائے میں وہ یہ اعتراض اچھالتے ہیں اس سے مقصود ومراد واضح ہو جاتی ہے۔

آپ کے فضائل کے بیان میں اول تو یہ بات خوب ذہن نشین رہنی چاہئے کہ وہ تمام فضائل و مناقب جو مطلقاً بغیر کسی تقیید وتخصیص کے مجموعی طور پر جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے وارد ہوئے ہیں ان کا مصداق جہاں پوری جماعتِ صحابہ ہے بعینہ اسی طرح ان فضائل وکرامات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی برابر کے شریک وسہیم ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان چند منتخب اور چنیدہ بختاور افراد میں سے ہیں جن کو بارگاہِ نبوت علیہ الصلاۃ والسلام سے کتابتِ وحی کا منصب عطاء تھا اور وہ وحی الٰہی لکھا کرتے تھے، بعض مفسرین کی تفسیر کے مطابق ان کاتبینِ وحی کی فضیلت، کرامت اور شرافت قرآن حکیم نے بیان کی ہے:

بِـأَيْـدِي سَـفَـرَةٍ ، كِرَامٍ بَرَرَةٍ. [**العبس**: ۱۵، ۱۶] یعنی یہ قرآن ایسے لکھنے والوں کے ہاتھ میں ہے جو باعزت، پاکباز اور نیکوکار ہیں۔

علاوہ ازیں خاص آپ رضی اللہ عنہ کے بھی بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں، سردست چند ایک پیش خدمت ہیں، جامع ترمذی میں حدیث میں موجود ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ. [**جامع ترمذی، رقم الحدیث**: ۳۸۴۲] ترجمہ۔ اے اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو دوسروں کے لیے راہبر وراہنما اور ہدایت یافتہ بنا اور ان کے ذریعے ہدایت پھیلا۔

اس روایت کو خود امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے ''حسن'' قرار دیا ہے، اور حدیثِ حسن محدثین کے ہاں مقبول ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی:

اللهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ. [مسند أحمد، رقم:۱۷۱۵۲]

اے اللہ! معاویہ کو کتاب اللہ اور حساب کا علم عطاء فرما اور عذاب سے محفوظ فرما۔

اس حدیث کے بارے میں علامہ پڑہاروی نے اس کی ''صحت'' کا لکھا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قیمتی نصائح سے بہرہ ور فرمایا، مسند احمد ہی میں ہے:

حَدَّثَنَا رَوْحٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُمَيَّةَ عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَدِّي، يُحَدِّثُ، أَنَّ مُعَاوِيَةَ، أَخَذَ الْإِدَاوَةَ بَعْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ يَتْبَعُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَا، وَاشْتَكَى أَبُو هُرَيْرَةَ، فَبَيْنَا هُوَ يُوَضِّئُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَيْهِ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَقَالَ: يَا مُعَاوِيَةُ، إِنْ وُلِّيتَ أَمْرًا فَاتَّقِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَاعْدِلْ. [رقم الحدیث:۱۶۹۳۳] ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد پانی کا لوٹا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل رہے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیمار تھے، اس دوران کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروا رہے تھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے دوران ہی ایک دو دفعہ اُن کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا: اے معاویہ! اگر تمہیں حکومت دی جائے تو تقوی اختیار کرنا اور عدل وانصاف سے کام لینا۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور صحیح بخاری کے رواۃ ہیں۔

ایسی روایت بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں موجود ہے جو محدثین کے ہاں صحیح ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، أَنَّ عُمَيْرَ بْنَ الْأَسْوَدِ الْعَنْسِيَّ، حَدَّثَهُ -أَنَّهُ أَتَى عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ وَهُوَ نَازِلٌ فِي سَاحَةِ حِمْصَ وَهُوَ فِي بِنَاءٍ لَهُ، وَمَعَهُ أُمُّ حَرَامٍ. قَالَ: عُمَيْرٌ، فَحَدَّثَتْنَا أُمُّ حَرَامٍ: أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ :أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا، قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ: قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنَا فِيهِمْ؟ قَالَ: أَنْتِ فِيهِمْ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ، فَقُلْتُ: أَنَا فِيهِمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: لَا. [صحيح البخاری:۲۹۲۴] عمیر بن اسود عنسی کہتے ہیں کہ حمص کے ساحل پر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر فروکش تھے اور آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا بھی رفیق سفر تھیں، اس موقع پر جناب ام حرام رضی اللہ عنہا نے یہ بیان فرمایا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو سمندری جہاد کرے گا اس نے اپنے اوپر جنت

واجب کرلی، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کی! یارسول اللہ! کیا میں ان میں شریک ہوں گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان میں شامل ہو، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر سے جہاد کرے گا اس کی بخشش کردی جائے گی، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یارسول اللہ کیا مجھے اس میں شمولیت نصیب ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں:

''محدثین کے نزدیک یہ ایک امر مسلم ہے کہ پہلی بار غزوۂ بحر جو ۲۷ھ میں پیش آیا تھا اور جس کو غزوۂ قبرص کہتے ہیں اس میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ ام حرام رضی اللہ عنہا شامل تھیں، اس بحری غزوہ کے امیر جیش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی زوجہ محترمہ فاختہ بنت قرضہ نامی ان کے ہم راہ تھیں، اس جیش کے حق میں زبانِ نبوت سے مژدہ ثابت ہے، فلہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور اس عالم فانی میں جنت کی خوشخبری اور وہ زبان نبوت سے یہ ایک نہایت سعادت مندی ہے پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں عدم فضیلت کا قول کسی طرح درست نہیں۔'' [سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۱/۲۶۶، دار الکتاب، ۲۰۰۷ء]

حضرت مولانا محمد نافع صاحب قدس سرہ اسی طعن کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اگر عدم صحت سے مراد یہ ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں تو یہ قول درست نہیں کیونکہ متعدد روایات جو درجۂ حسن میں ہیں، وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں موجود اور ثابت ہیں، اگر چہ ان کا اسناد اصطلاحی صحت کے درجہ سے کم ہے، اور جو روایات درجہ حسن میں ہوں وہ محدثین کے نزدیک مقبول ہیں اور ان سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں، یہ قاعدہ عند العلماء تسلیم شدہ ہے۔''

[سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۲/۲۶۲]

صاحب النبراس علامہ پڑھاروی (المتوفی ۱۲۳۹ھ) اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

فأحد المطاعن فيه هو أن بعض المحدثين ومنهم المجد الشيرازى فى سفر السعادة قالوا: لم يصح فى فضائله حديث. وكذا عنوان البخارى حديث ابن أبى مليكة بقوله: "ذكر معاوية" لا بالمناقب والفضل كما فعل فى غيره. والجواب أنه مر حديثان أحدهما من مسند أحمد والآخر من سنن الترمذى. فإن أريد بعدم الصحة عدم الثبوت فهو مردود لما مر بين المحدثين، فلا ضير فإن فسحتها ضيقة، وعامة الأحكام والفضائل إنما تثبت بالأحاديث الحسان لعزة الصحاح. ولا ينحط ما فى المسند والسنن عن درجة الحسن. وقد تقرر فى فن الحديث جواز العمل بالحديث الضعيف فى الفضائل، فضلا عن الحسن. وقد رأيت فى بعض الكتب المعتبرة من كلام الإمام مجد الدين بن الاثير صاحب ميزان الجامع: حديث مسند أحمد فى فضيلة معاوية صحيح، إلا أنى لا أس تحضر الكتاب فى

الوقت .ولم ينصف الشيخ عبد الحق الدهلوى فى شرح سفر السعادة فإنه أقر كلام المصنف ولم يتعقبه كتعقبه على سائر تعصباته.وأما الجواب عما فعله البخارى فإنه تفنن فى الكلام فإنه فعل كذا فى أسامة بن زيد وعبد الله بن سلام وجبير بن مطعم بن عبد الله، فذكر لهم فضائل جليلة معنونة بالذكر.

[الناهية عن طعن أمير المؤمنين معاوية:٦٧،٦٨، ط: غراس، كويت]

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ بھی ہے جو بعض محدثین مثلاً مجد شیرازی نے سفر السعادہ میں یہ اعتراض کیا ہے، چنانچہ یہ کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے، نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حدیث ابن ملیکہ پر بجائے المناقب اور الفضل کے ''ذکر معاویہ'' کا عنوان قائم کیا ہے، (جس سے ان کی فضیلت کا وارد نہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے) جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں دو احادیث گزر چکی ہیں ایک مسند احمد کی اور دوسری سنن ترمذی کی، اگر عدمِ صحت سے مراد یہ ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں تو یہ قول درست نہیں، اور اگر صحت سے صحتِ مصطلحہ عند المحدثین مراد ہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کا دائرہ تنگ ہے، احادیثِ صحیحہ کی قلت کی وجہ سے بیشتر سے شرعی احکام اور فضائل حسن درجہ کی احادیث سے ثابت ہوتے ہیں، اور مسند اور سنن کی روایت درجۂ حسن سے کم نہیں ہے، نیز فن حدیث میں یہ بات ثابت ہے کہ فضائل میں تو حدیثِ ضعیف پر بھی عمل کیا جاتا ہے چہ جائیکہ حدیثِ حسن، (حدیثِ ضعیف پر عمل کا یہ قاعدہ عام نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیلات ہیں جو کتبِ اصول حدیث میں موجود ہیں، ابن احمد) جبکہ میں نے کسی معتبر کتاب میں صاحبِ میزان الجامع علامہ مجد الدین بن الاثیر کی یہ بات دیکھی ہے کہ فضیلتِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں مسند کی روایت صحیح ہے۔ مگر اس وقت کتاب مستحضر نہیں، اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی شرح سفر السعادة میں انصاف نہیں فرمایا، بلکہ مصنف کے کلام کو ثابت کر دیا ہے اور اس پر گرفت نہیں کی جیسا کہ وہ ان کے دیگر تمام تعصّبات پر گرفت فرماتے رہے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے طرزِ عمل کا جواب یہ ہے کہ وہ تفنن کلام کے طور پر ہے، کہ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید، حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم کے تذکرہ میں بھی یہی انداز اختیار کیا ہے پھر ''ذکر'' ہی کے عنوان پر ان کے عظیم الشان فضائل لائے ہیں۔

یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات جب پہلے بعض حضرات نے کہی اور لکھی ہے تو اگر ہم نے کہہ دی تو کون سی ایسی بات ہے؟ جواب بہت صاف اور سادہ ہے کہ وہاں یہ ایک طعن وتنقید کے پیرایے میں نہیں ہے مگر اس کے باوجود اسے بھی علماءِ اہل سنت نے قبول نہیں کیا جبکہ یہاں تو ایک مستقل محاذ ہے اور بطور طعن و تشنیع یہ اعتراض اچھالا جاتا ہے، نیز کسی بھی صحابی کے نام کے ساتھ فضیلت کا وارد نہ ہونا اور بات ہے جبکہ

اس چیز کو بنیاد بنا کر کسی صحابی کو موضع طعن بنانا اور اس سے ان کی شخصیت پر جرح وقدح کرنا اور بات ہے، کیونکہ جماعتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بے شمار صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے ہیں کہ خاص ان کے بارے کوئی خاص فضیلت وارد نہیں ہوئی مگر کیا اس سے یہ ثابت ہے کہ ان کی فی الجملہ فضیلت کا بھی انکار کر دیا جائے اور ان کے خلاف طعن وتشنیع اور تنقید کا بازار گرم کر دیا جائے؟

علامہ پڑھاروی فضیلتِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم میں احادیث لانے سے پہلے بطور تمہید فرماتے ہیں:

اعلم أن صحابته الكرام مائة ألف وأربعة عشر ألفا كالأنبياء، ومن ورد فيه أحاديث الفضائل أشخاص معدودة، وكفى بالصحبة فضلا للباقى، لترتب الفضائل العظيمة عليها مما نطق به الكتاب والسنة .فإن فقدت أحاديث الفضائل لبعضهم أو قلّت فلا إحجاف به. [الناهية عن طعن أمير المؤمنين معاوية:٣٨] کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح ایک لاکھ چودہ ہزار تھے (تقریباً)، اور جن کے فضائل ومناقب میں احادیث وارد ہوئی ہیں، وہ گنتی کے حضرات ہیں، باقی حضرات کی فضیلت کے لیے صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کافی ہے، کیونکہ صحابیت کے بڑے فضائل ومحامد ہیں، جن پر قرآن وسنت ناطق اور گواہ ہیں، لہٰذا اگر کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں احادیث نہ ہوں یا کم ہوں تو کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔

علامہ عبدالعزیز پڑہاروی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

”وأقول قد صرح علماء الحديث بأن معاوية رضى الله عنه من كبار الصحابة ونجبائهم ومجتهديهم ولو سلّم أنه من صغارهم فلاشك فى أنه دخل فى عموم الاحاديث الصحيحة الواردة فى تشريف الصحابة رضى الله عنهم بل قد ورد فيه بخصوصه أحاديث لقوله عليه الصلاة والسلام :اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ رواه الترمذى و قوله عليه الصلاة والسلام اللهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْحِسَابَ و الْكِتَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ رواه احمد وماقيل من أنه لم يثبت فى فضله حديث فمحل نظر“[النبراس: ۳۳۰، امدادیہ، ملتان]

محدثین نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کبار، معزز اور مجتہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ وہ صغار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں تو اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ فضیلتِ صحابہ میں وارد صحیح احادیث کے عموم میں داخل اور شامل ہیں، بلکہ خاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں بھی احادیث موجود ہیں......اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت نہیں ہے یہ بات محل نظر ہے۔

احادیث بالا وعباراتِ مذکورہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خصوصی فضیلت بھی احادیثِ صحیحہ اور احادیثِ حسان سے ثابت ہے۔

ثانیاً اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے بلکہ احادیثِ ضعیفہ ہیں تو محدثین کے ہاں یہ مسلم ضابطہ ہے کہ حدیث ضعیف اگر کئی طرق سے مروی ہو تو وہ درجۂ ضعف سے نکل کر درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہے۔

ذیل میں چند ایسی روایات ملاحظہ فرمائیں جو اگر چہ درجہ صحت کو تو نہ پہنچتی ہوں تاہم ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل کو تقویت و تائید ضرور ملتی ہے۔

''حضرت ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ جبرائیل امین علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! معاویہ کو وصیت کیجیے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے امین ہیں اور بہت اچھے امین ہیں۔'' [تطہیر الجنان]

ایک مقام پر ارشاد مبارک فرمایا:

ولكل نبي صاحب سر وصاحب سري معاوية بن أبي سفيان، فمن أحبهم فقد نجا ومن أبغضهم فقد هلك. [رياض النضره :۱/۳۶] ہر نبی کا ایک رازدار ہوتا ہے اور میرے رازدار معاویہ ہیں جو ان سے محبت رکھے گا، نجات پائے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا، ہلاک ہوگا۔

امامِ بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے: عن وحشي ابن حَرْبِ بْنِ وَحْشِيٍّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَ مُعَاوِيَةُ رَدِفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُعَاوِيَةُ مَا يَلِينِي مِنْكَ؟ قَالَ بَطْنِي قَالَ اللَّهُمَّ امْلَأْهُ عِلْمًا وَحِلْمًا. [التاريخ الكبير: ۸/۱۸۰، رقم ۲۶۲۴]

ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر سوار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، اے معاویہ! آپ کے جسم کا کون سا حصہ میرے نزدیک ہے؟ تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرا پیٹ! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اسے علم و حلم سے بھر دے!۔

پھر سوال تو یہ ہے کہ یہ اعتراض اچھال کر موصوف اس سے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے اور کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت اور اعزاز کے لیے یہ بات ناکافی ہے کہ وہ صحابیٔ رسول ہیں اور صحابیٔ رسول کے بالاتر از تنقید ہونے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اسے صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میسر ہے؟

مولانا محمد معاویہ سعدی (مظاہر علوم، سہارن پور) تحریر فرماتے ہیں:

''فضائل کا باب تو ایک اضافی چیز ہے نہ معلوم کتنے صحابہ اور صحابیات، بنات طیبات بلکہ بہت سے انبیاءِ کرام علیہم السلام کی ذوات قدسیہ ایسی ہیں کہ ان کے نام اور شخصیت کی تعیین کے ساتھ کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی تو اس میں نقص کون سا ہے؟ کیا کسی ذات کی فضیلت کے لیے تنہا اس کا نبی یا صحابی ہونا کافی

نہیں؟'' [حرمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم، ص ۴۷، مکتبہ دار السعادۃ، سہارن پور، ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۸ء]

اس بات کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے تعدادِ وتر کے مسئلہ میں سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے اور موقف رکھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جو خود اونچے درجے کے صحابی مفسر اور علم تھے نے فرمایا: کہ ان کے بارے کچھ مت کہو کیونکہ بلا شبہ و بالتحقیق وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے درست کہا، لاریب وہ فقیہ مجتہد ہیں۔

عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قَالَ :أَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ العِشَاءِ بِرَكْعَةٍ، وَعِنْدَهُ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ، فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ :دَعْهُ فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. [صحيح البخاری، كتاب المناقب، باب ذكر معاوية، رقم: ٣٧٦٤]

ابن ابوملیکہ مروی ہے، کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی، وہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام بھی موجود تھے، انہوں نے آ کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بتلایا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: انہیں کچھ مت کہو بلا شبہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ ہیں۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت اتنا عظیم شرف ہے کہ ان کے بارے رائے زنی کی مجال نہیں، چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں ارقام کرتے ہیں:

"(دعه) ، أي: اترك القول فيه والإنكار عليه فإنه صحب رسول الله، صلى الله عليه وسلم، وإنه عارف بالفقه." [عمدة القاری: ۲۴۸/۱۶، دار إحياء التراث العربی ، بيروت] ترجمہ: کہ ان پر رائے زنی اور اعتراض نہ کرو، کہ وہ صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور فقہ واجتہاد کے عالم ہیں۔

عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ :هَلْ لَكَ فِي أَمِيرِ المُؤْمِنِينَ مُعَاوِيَةَ، فَإِنَّهُ مَا أَوْتَرَ إِلَّا بِوَاحِدَةٍ؟ قَالَ :أَصَابَ، إِنَّهُ فَقِيهٌ. [صحيح البخاری، كتاب المناقب، باب ذكر معاوية، رقم: ۳۷۶۵] ابن ابوملیکہ سے ہی مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا گیا کہ آپ امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ فرمائیں گے کہ انہوں نے وتر ایک رکعت ہی پڑھی ہے، تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: انہوں نے درست کیا ہے، بے شک وہ فقیہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر فقہی نقد سے بھی منع فرما رہے ہیں، باوجودیکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے مختلف تھا کما صرح به ملا علی القاری رحمه الله:

”(فأتى ابن عباس فأخبره، فقال:دعه) ، أي اتركه ولا تعترض عليه بالإنكار (فإنه قد صحب النبي صلى الله عليه وسلم)قال الطيبي، أي فلا يفعل إلا ما رآه، يعني :ولعله رأى ما لم ير غيره وأصحابه كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم، وهم عدول ولا يفعلون شيئا من تلقاء أنفسهم، لكن الحديث صريح في كون معاوية شاذا منفردا عن سائر الصحابة.“[مرقاة المفاتيح:۹۵٤/۳، رقم:۱۲۷۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام نے آ کر جب انہیں یہ بتلایا(کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک رکعت وتر ادا فرمائی ہے) تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشادفرمایا کہ انہیں کچھ مت کہو، یعنی انہیں چھوڑ دو اور ان پر اعتراض نہ کرو، کیونکہ انہیں شرفِ صحابیت حاصل ہے، علامہ طیبی (شارح مشکاۃ) فرماتے ہیں کہ: (مطلب یہ تھا کہ وہ صحابی ہیں) لہٰذا وہی کریں گے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھا ہے، اس لیے ممکن ہے کہ انہوں نے کچھ ایسا دیکھا ہو جو کسی اور نے نہ دیکھا ہو اور اصحاب رسول رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کا بھی اتباع کریں گے راہ یاب ہوں گے، نیز وہ عادل ہیں، کچھ بھی اپنی طرف سے نہیں کرتے ،لیکن یہ حدیث اس بات میں صریح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اس عمل میں باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منفرد تھے۔

اس حدیث مبارک سے دو امر مستفاد ہوئے: (۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلتِ صحبت (۲) اس فضیلتِ صحابیت کی وجہ سے تنقید سے بالاتر ہونا۔

مگر موصوف مولانا محمد زاہد صاحب عملِ صحابی وفرمانِ صحابی کے برعکس ہر دو امور سے کنارہ کش ہیں، فضیلت سے بھی انکار ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی تنقید سے بھی نہیں بچ سکے۔

علاوہ ازیں اقوالِ سلف صالحین سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت و مقام آفتابِ نیم روز کی طرح راشن اور عیاں ہے، علامہ ابن حجر مکیؒ رقم طراز ہیں کہ:

”خلیفۂ ثانی سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! جب امت میں تفرقہ اور فتنہ عام ہو جائے تو تم حضرت معاویہ کی اتباع کرنا اور ان کے پیچھے شام چلے جانا۔“ [تطہیر الجنان:۳۷]

مشہور مؤرخِ اسلام علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ:

”محدثِ کبیر حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز؟ تو انہوں نے فرمایا: کہ حضورِ اکرم ﷺ کی معیت ورفاقت میں جہاد کرتے ہوئے جو مٹی حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کے ناک میں گئی، اس مٹی کے ذرے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہیں۔“ [البدایہ والنہایہ:۱۳۹/۸]

نیز یہ بھی آپ کی عظمت وشرافت کی دلیل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے قرابت ورشتہ داری بھی حاصل ہے، آپ کی ہمشیرہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم وزوجیت میں تھیں، یوں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی اور خال المؤمنین ٹھہرے، اور ایمان وعمل کے ساتھ قرابتِ رسول بھی بہت بڑا اشرف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا جانے والا یہ اعتراض خلافِ حقیقت ہے، صحیح بات یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں صحیح اور حسن درجہ کی روایات، نیز مؤیدات اور اقوالِ سلف موجود ہیں، اگر بالفرض صحیح روایات موجود نہ بھی ہوں تو شانِ صحابیت کے ہوتے ہوئے اس سے کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا کہ جسے بنیاد بنا کر آپ پر بھونڈے اور رکیک مطاعن کا دروازہ کھولا جائے۔

مولانا محمد ظفر اقبال مدظلہم نے اپنی کتاب ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ'' کے [ص۹۴ تا ۱۱۸] پر اس اعتراض کا تحقیقی و تفصیلی جواب دیا ہے جو اہل علم کے لیے قابل ملاحظہ ہے۔

ہم اس بحث کا اختتام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کا اس تبصرہ پر کرتے ہیں جس میں انہوں ایسے اعتراضات کی وجہ بیان فرمائی ہے:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیاسی موقف چونکہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف اور جمہور اہل السنۃ کے نزدیک حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، اس لیے ان کے مخالفین بالخصوص روافض کو ان کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع مل گیا، اور ان کے خلاف الزامات واتہامات کا طومار لگا دیا گیا جس میں ان کے فضائل ومناقب چھپ کر رہ گئے، ورنہ وہ ایک جلیل القدر صحابی، کاتبِ وحی اور ایسے اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے کہ آج ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔'' [جہان دیدہ: ۳۰۳] ☆☆

بقیہ صفحہ نمبر 96......تبصرہ وتعارف

جبکہ آج کل بھنگ نوش کرنے اور سیاہ لباس میں ملبوس رافضیوں کو بھی ''سید بادشاہ'' کہہ دیا جاتا ہے۔ تو کل اگر کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموں کے ساتھ بھی اس کے استعمال کو ترک کرنے کی دعوت دے کر اپنے ذوق کی نکاسی کرنا چاہے تو آخر اس کا علاج کیا ہو سکے گا؟

اس لیے ہمارا مشورہ ہے کہ کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں فن شاعری اور مخدوم ومکرم شاعر کی یاداشتوں پر مشتمل ایک الگ سے دیباچہ لگا دیا جائے تو بہت اچھا ہوگا۔

''کرنیں ایک ہی مشعل کی'' کو سفید اچھا کاغذ لگایا گیا ہے، سرورق بھی دیدہ زیب ہے، تصحیح کا اہتمام بھی خاطر خواہ حد تک کیا گیا ہے۔ لہٰذا منقبت ونعت اور نظم کا ذوق رکھنے والوں نے اگر یہ کتاب ابھی تک نہیں دیکھی تو کیا دیکھا؟ آج ہی خریدیئے، پڑھیئے اور سرمہ بصارت بنایئے۔ ☆☆

علی زئی جواب پر ایک نظر

......قسط:۳......

زبیر علی زئی:

۲: بدعقیدہ ۹۳ یعنی مخالفین کتاب و ۹۴ سنت (اہلِ ۹۵ بدعت: غالی ۹۶ مقلدین ۹۷)

الجواب:

۴۹۵

دیوبندی اهل السنت هیں:

علی زئی صاحب کی طرف سے جس طرح دیوبندیوں کو بدعقیدہ اور کتاب وسنت کا مخالف کہنا غلط ہے، اسی طرح انہیں بدعتی قرار دینا بھی خلافِ حقیقت ہے۔ آلِ غیر مقلدیت کو اعتراف ہے کہ دیوبندی اہل السنّت ہیں۔ ثبوت ملاحظہ ہوں۔

عبداللہ روپڑی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''احناف دیوبندی اہل السنّت میں شامل ہیں۔'' [فتاوی اہل حدیث: ۱/۶]

ثناءاللہ امرتسری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''دیوبندی گروہ علم فقہ اور اس کے لوازم کے علاوہ علم حدیث وتفسیر میں توغل رکھتا ہے اسی لیے انہوں نے حنفی مذہب کو جو رسوم ملکی سے آلودہ ہو رہا تھا رسوم شرکیہ بدعیہ سے نتھار کر خالص حنفی مذہب کی شکل میں دکھانے کی کوشش کی یعنی دیوبندی چونکہ حنفی مقلد ہیں اس لیے وہ مذہب حنفی وہی پیش کرتے ہیں جو مذہب فقہ حنفی میں ملتا ہے نہ (کہ) وہ جس میں رسوم ملکی اور آبائی داخل کی گئی ہیں۔''

[تحریک وہابیت پر ایک نظر: ۳]

مذکورہ عبارت فتاوی علمائے حدیث: ۱۲/۱۰۱ پر بھی درج ہے۔

قاضی محمد اسلم سیف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''حرمین کے علمائے کرام اور شیوخ نے مولانا احمد رضا خان بریلوی کو شیطان بصورت انسان قرار دیا اور دھوکے باز اور فریبی گردانا۔ جب کہ علمائے دیوبند کے عقائد کو اہل سنت والجماعت کے عقائد قرار دیا۔'' [تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینے میں: ۳۰۹]

اس عبارت میں علمائے دیوبند کے اہل السنّت والجماعت ہونے کا بیان بھی ہے اور ساتھ ہی

انہیں غلط عقیدہ کا حامل قرار دینے والے کا حکم بھی کہ وہ ''شیطان، دھوکے باز اور فریبی'' ہے۔یہیں سے علی زئی اوران کے ہم خیال غیر مقلدین کا مقام واضح ہو جاتا ہے۔

صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اہل سنت میں بھی کئی فرقے ہیں حنفیوں کے دوگروہ ہیں اور تیسرے اہل حدیث ہیں شیعوں کے مقابلے میں ان سب کو اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے کیونکہ یہ سب سنت کی حجیت اور صحابہ کی عظمت اور ان کے منہاج کے قائل ہیں'' [الاعتصام لاہور ۲ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ:۱۲]

یوسف صاحب نے حنفیوں کے جن دوگروہوں کو''اہل السنّت والجماعت'' کہا ہے ان میں ایک گروہ دیوبندی علماء ہیں۔

علیم ناصری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''کچھ ارکان تو دیوبندی اور بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں جن کو اہل سنت کا نمائندہ سمجھا سکتا ہے'' [الاعتصام لاہور ۲۵ رجب،۱۴۱۲ھ:۳]

ناصری صاحب نے دیوبندیوں کو''اہل سنت کا نمائندہ'' قرار دیا ہے۔

احمد شاکر صاحب غیر مقلد نے لکھا:

''اہل سنت کے بعض علماء وزعماء نے سپاہ صحابہ کے نام سے ایک انجمن کی داغ بیل ڈالی دی۔''

[الاعتصام لاہور ۷ صفر،۱۴۱۳ھ:۴]

سب لوگ جانتے ہیں کہ مذکورہ انجمن کی داغ بیل ڈالنے والے حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہید رحمہ اللہ اوران کے ساتھی تھے جو کہ سب دیوبندی ہیں۔

حاشیہ:۴۹۳ رمیں مقالات وفتاوی: ۲۳۷/۷ رکے حوالہ سے اسماعیل سلفی غیر مقلد کی عبارت درج ہو چکی ہے جس میں انہوں نے پہلے دیوبندیوں کو''بدعاتِ عملی اور اعتقادی آمیزش سے پاک اور صاف'' تسلیم کیا اور پھر لکھا:

''دیوبندی سے مراد وہی لوگ ہیں جو فہم میں فقہائے عراق رحمہم اللہ کے مسلک کے پابند ہوں اور بدعات اوران کے مبادی سے انہیں نفرت ہو۔''

دیوبندیوں کے اہل السنّت ہونے پر غیر مقلدین کی مذکورہ عبارتیں وزنی گواہیاں ہیں۔اس کے برعکس غیر مقلدین کا بدعتی ہونا اتنا مسلم حقیقت ہے کہ خود اُن کے اپنے لکھاری اس کا بار بار اعتراف کر چکے ہیں جیسا کہ ہماری اسی کتاب میں پیچھے حوالہ جات درج ہو چکے ہیں۔

۴۹۶ علی زئی صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ جب وہ کسی پر برستے ہیں تو اسے

''غالی مقلد'' کہا کرتے ہیں احناف کو غالی مقلد کہتے کہتے محدث ابن الصلاح کو بھی غالی مقلد لکھ دیا ہے:

''غالی شافعی حافظ ابن الصلاح'' [علمی مقالات:۱۷۳/۴]

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''ابن الصلاح تقلیدی'' [علمی مقالات:۱۵۴/۶]

آگے حاشیہ: ۴۹۷ میں کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد کا حوالہ بیان ہوگا کہ زبیر علی زئی نے اندھی تقلید کی ہے۔ تو کیا اس اندھی تقلید کی وجہ سے علی زئی صاحب غالی مقلد کہلائیں گے؟

۴۹۷

علی زئی صاحب کا مقلدین کو بدعقیدہ کہنا حسبِ سابق غلط ہے۔ ان کا صحیح العقیدہ ہونا خود اِن کے اپنوں کو تسلیم ہے جیسا کہ اوپر باحوالہ مذکور ہوا۔

نام نہاد اہلِ حدیث تقلید کی شاہراہ پر:

یہاں یہ بھی جان لیں کہ تقلید تو نام نہاد اہل حدیثوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ خود علی زئی صاحب بھی چُھپ چُھپ کر تقلید کیا کرتے تھے جیسا کہ ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے۔ دنیائے غیر مقلدیت کے جس فرد یا گروہ کو ہماری اس بات سے اختلاف ہے وہ ہم سے اس کے شواہد طلب کر سکتا ہے۔ کسی نے مطالبہ کیا تو ہم علی زئی اصولوں، تحریروں اور دیگر غیر مقلدوں کے مندرجات کی روشنی میں ان کی تقلیدی زندگی کو سامنے لائیں گے، اِن شاء اللہ۔ روئے زمین پر آباد کوئی غیر مقلد ہے جو ہمارے مذکورہ دعویٰ کو چیلنج کرنے کی ہمت رکھتا ہو؟؟؟ آہ!!! دیکھتے ہیں کون غیر مقلد ہے جو ہمیں چیلنج کر کے علی زئی کے تقلیدی ہونے پر کچھ لکھنے کے لیے اُبھارتا ہے۔

علی زئی کے تقلیدی ہونے کا ایک صریح حوالہ کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد کی زبانی آگے آ رہا ہے، اِن شاء اللہ۔

اب نہاد اہلِ حدیث کے ''تقلیدی'' ہونے کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

داؤد راز صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''قابلِ تقلید مثال'' [تحریک جماعت اسلامی اور مسلک اہلِ حدیث:۲۱]

حماد الحق نعیم صاحب نے ''الاعتصام'' کا اداریہ لکھا اور اس کا عنوان ''قابلِ تقلید'' قائم کیا ہے۔ اس کے تحت اہلِ حدیث کے طرزِ عمل کو لائق اتباع کہا ہے۔ [ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۶ صفر ۱۴۴۰ھ:۳]

علی زئی صاحب کی طرف سے ''امام المحدثین'' کا لقب پانے والے ناصر الدین البانی نے ''دلیل سمجھنے سے عاجز آدمی کے لیے تقلید کا جواز'' عنوان قائم کر کے لکھا:

'' کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہر شخص تو اس معنی میں عالم نہیں ہوسکتا (کہ وہ کتاب وسنت میں فہم میں

پیدا کر لے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں یہ ٹھیک ہے مگر اس میں نزاع کس کا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھو) نیز فرمایا: فسئل بہ خبیرا (کسی خبردار سے پوچھ) آنحضرت علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا جنہوں نے بے علمی میں فتویٰ دیا تھا الا سئلوا حین جھلوا فانما شفاء العی السوال (جب انہیں علم نہ تھا تو انہوں نے پوچھ کیوں نہ لیا (علم سے) عاجز کی شفا سوال ہے۔'' [حجیتِ حدیث: ۷۴]

البانی صاحب لکھتے ہیں:

''حق یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ جو شخص معرفت دلیل سے عاجز ہے اسی پر تقلید واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت وطاقت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتا۔ اس کی تائید میں ابن قیم کا کلام بھی بحث کے آخر میں آرہا ہے جیسے کہ ایک عالم شخص بھی بعض اوقات بعض مسائل میں تقلید پر مجبور ہو جاتا ہے، بلکہ جب وہ اس مسئلہ میں اللہ ورسول کی طرف سے کوئی نص معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور اس میں اپنے سے زیادہ صاحب علم کے قول کے سوا اسے کچھ نہ مل سکے تو مجبوراً اس کی تقلید کرے گا جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے بعض مسائل میں کیا ہے، اسی لیے امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اہلِ علم کا عمل ہے اور واجب ہے تقلید مجبور ومضطر کے لیے مباح ہے۔'' [حجیتِ حدیث: ۷۶ مترجم حافظ عبدالرشید اظہر]

غیر مقلدین کی کتاب میں لکھا ہے:

''ابن عبدالبر کی جو بحث پیچھے گزر چکی ہے اس کے بعد وہ فرماتے ہیں: یہ سب خواص کے لیے ہے عوام کے لیے جب کوئی مسئلہ پیدا ہو جائے تو انہیں اپنے علماء کی تقلید کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے چونکہ عامۃ الناس پر مواقع حجت ظاہر نہیں ہوتے اور وہ عدم فہم کی وجہ سے اس کے علم تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ ...علماء کا اس میں اختلاف نہیں ہے عامۃ الناس پر اپنے علماء کی تقلید ضروری ہے اللہ کے اس فرمان میں وہی مراد ہیں فاسئلوا اھل الذکر الخ اور اس پر علماء کا اجماع ہے کہ اندھے آدمی کے لیے ضروری ہے کہ جب اس پر جہت قبلہ کا پتہ چلانا مشکل ہو جائے تو ایسے شخص کی تقلید کرے جس کی قبلہ کے بارے میں معرفت پر اسے وثوق سے اعتماد ہے۔ پس ایسے ہی وہ شخص جس کے پاس علم نہیں ہے یا وہ آنکھ نہیں ہے جس سے وہ دین کی معرفت حاصل کر سکے، اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ کسی عالم کی تقلید کرے۔''

[حجیتِ حدیث، البانی: ۷۵]

صحیفہ اہلِ حدیث میں اہلِ حدیث علماء کو اہلِ رائے کا مقلد قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

''ترکِ صلوٰۃ کفر بواح ہے جس سے آج کل کے علماء اہلِ رائے کی تقلید سے متاثر ہو کر غافل ہو رہے ہیں۔'' [صحیفہ اہل حدیث ۱۳۸۹ھ، ۱۶ شوال: ۱۰]

محمود احمد حسن [فاضل عربی، فاضل مدرسہ عربیہ اسلامیہ دارالسلام کراچی] فرماتے ہیں:

''اہلِ حدیث کا طرزِ عمل اس سلسلہ میں قابلِ تقلید ہے۔''

[صحیفہ اہل حدیث ۱۳۹۰ھ ۱۶/ جمادی الثانی: ۲۰]

نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں:

''عوام میں ایمان تو عصر نبوت ہی سے تقلیدی چلا آ رہا ہے۔'' [ابقاء المنن: ۶۳]

نواب صاحب ہی لکھتے ہیں:

''عامی اور مقلد جاہل جو قرآن وحدیث کے دلائل نہ جاننے کی بنا پر کتاب وسنت پر براہِ راست عمل نہیں کر سکتا اور کتب فقہ سے بھی منتفع نہیں ہو سکتا، اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ مسائل میں قول غیر کو قبول کرے۔ یادرہے محقق علماء نے اگرچہ ایسے انسان کے لیے اس کی جہالت کی وجہ سے تقلید کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی خاص مذہب کی اس انداز میں تقلید نہ شروع کردے کہ دوسرے مذاہب سے وابستہ علماء کی بات کو غلط سمجھے۔'' [ابقاء المنن: ۶۳، ۶۴]

نواب صاحب نے اگرچہ خاص مذہب کی مشروط تقلید ''کہ دوسرے مذاہب والوں کو غلط سمجھنے لگے'' کو تسلیم نہیں کیا تاہم مطلق تقلید کو جائز قرار دیا ہے۔

کسی صاحب نے کہا کہ اہلِ حدیث تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں۔ اہلِ حدیث ہونے کے دعوے دار واصل واسطی صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''اہل حدیث لوگ ہر تقلید کو شرک نہیں کہتے، بلکہ اس کی بعض صورتوں کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں اپنے اکابر کی چند عبارات پیش کرتے ہیں اور احباب سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ غور وتامل سے اس پر نظر فرمائیں گے۔'' [عقیدۂ سلف پر اعتراضات کا علمی جائزہ: ۲۷]

اس کے بعد انہوں نے تقلید کی حمایت میں اپنے تین اکابر: نواب صدیق حسن خان [ابقاء المنن: ۶۳]، میاں نذیر حسین دہلوی [معیار الحق: ۸۰] اور محمد گوندلوی صاحب [الاصلاح ۱/۱۵۹] کی عبارتیں پیش کر کے لکھا:

''اب جب تین بڑے مشائخ اور بزرگوں کی عبارتوں سے ثابت ہو گیا کہ اہلِ حدیث ہر تقلید شخصی کو شرک اور ہر تقلید کو حرام نہیں کہتے تو ہم کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ لکھنا کہ اہلِ حدیث کا دعویٰ ہے کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید شخصی شرک ہے، ان پر افتراء محض ہے جس پر کم از کم استغفار کا ورد ضرور کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ روز قیامت باعث شرمندگی بن جائے۔'' [عقیدۂ سلف پر اعتراضات کا علمی جائزہ: ۲۹]

سلیم اللہ عزیز اعوان صاحب غیر مقلد [قلعہ میاں سنگھ] لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ ہمیں تقلید کا طعنہ دینے والے خود حافظ عبد المنان نور پوری اور عبد السلام بھٹوی وغیرہ کی تقلید میں دعا چھوڑ رہے ہیں۔یعنی ہم ہوئے مقلد اور یہ غیر مقلد... تلك اذا قسمة ضيزى۔''

[فرض نماز کے بعد دعا کی اہمیت:۱۱ تالیف حکیم میاں عبد الرحمٰن عثمانی غیر مقلد]

سلیم اللہ عزیز اعوان کو مذکورہ کتاب میں ''بقية السلف، فضيلة الشيخ، حضرت، مولانا، دامت برکاتہم'' کہا گیا ہے۔[صفحہ:۹]

ابوزکی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''عامی شخص (Layman) کے لیے کسی صاحب علم کی پیروی اور تقلید ضروری ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (الانبیاء آیت ۷) اس آیت کا سیاق و سباق اگرچہ دوسرا ہے لیکن اس سے یہ واضح حکم نکلتا ہے کہ جس معاملے میں کسی شخص کو خود علم نہ ہو وہ اہلِ علم سے پوچھ لیا کرے۔اس لیے عام لوگوں کا علماء سے شرعی مسائل پوچھنا اور ان پر عمل کرنا بالکل جائز اور درست ہے اور اسے تقلید محمود بھی کہا جاتا ہے جس کے صحیح ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔''

[فقہی مسلک کی حقیقت:۹۲،۹۳]

ابوزکی صاحب نے اپنی اسی کتاب میں صفحہ:۹۲/سے ۱۲۲/تک تقلید کی حمایت میں بہت کچھ لکھا ہے۔اختصار کے پیش نظر سب حوالے نقل نہیں کئے جا سکتے البتہ ایک حوالہ مزید نقل کرنا مناسب معلوم ہو رہا جس میں انہوں نے سب لوگوں کو''مقلد'' قرار دے کر بات ہی ختم کر دی۔وہ لکھتے ہیں:

''مقلد اور غیر مقلد لوگوں کا فرق و امتیاز بھی بالکل بے معنیٰ اور ایک فضول چیز ہے کیونکہ جو حضرات ''غیر مقلد'' کہلاتے ہیں وہ بھی حقیقت میں ''مقلد'' ہی ہوتے ہیں۔خود مقلد ہوتے ہوئے انہیں دوسروں کو مقلد ہونے کا طعنہ نہیں دینا چاہیے۔جہاں دوسرے لوگ اپنے فقہاء اور مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں وہاں یہ غیر مقلد حضرات اپنے محدثین کی تقلید کر لیتے ہیں۔کیونکہ جن لوگوں کو غیر مقلد کہا جاتا ہے وہ فقہاء کی بجائے محدثین پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے بنائے ہوئے اصولِ حدیث کی پیروی کرتے ہیں اور محض ان کی تقلید میں بعض راویوں کو ثقہ اور بعض کو غیر ثقہ مانتے ہیں۔پھر کسی حدیث کو صرف ان کے کہنے پر صحیح یا ضعیف یا کبھی موضوع اور مقبول یا غیر مقبول تسلیم کر لیتے ہیں۔کیا اس روش کو بھی تقلید کے سوا کوئی اور نام دیا جا سکتا ہے؟ کیا الفاظ بدل جانے [تقلید کی بجائے اتباع نام رکھنے (ناقل)] سے حقیقت بدل جایا کرتی ہے؟''

[فقہی مسلک کی حقیقت:۹۸]

مقلدین کو بدعقیدہ کہنے والے خود علی زئی صاحب کفایت اللہ سنابلی ہندی غیر مقلد کے بقول اندھے مقلد ہیں۔

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

''یہاں پر زبیر علی زئی صاحب نے امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کو تقلیدی کہا ہے جب کہ بعض مقامات پر خود موصوف نے امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کی اندھی تقلید کی ہے جیسا کہ ہم نے زیادت ثقہ والے مضمون میں وضاحت کردی ہے۔'' [حدیث یزید محدثین کی نظر میں: ۷]

اس مقام پر یہ بھی جان لیں کہ اہلِ حدیث کہلانے والوں میں تقلید کی وجہ سے فرقے بھی بن گئے ہیں۔ چنانچہ حکیم خالد سیف اللہ محمدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اہلِ حدیث پہلے بھی کئی فرقوں میں تقسیم ہیں۔امامیہ، غیر امامیہ۔جھنڈوی، غیر جھنڈوی۔ مرکزی، غیر مرکزی۔ جہادی، غیر جہادی۔روپڑی، غزنوی، ثنائی۔اب دعائی اور غیر دعائی بھی قائم ہوگئے ہیں۔'' [فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کی اہمیت: ۵]

حکیم صاحب آگے لکھتے ہیں:

''اب اہلِ حدیث بھی اپنے قریبی اور مانوس علماء کی بات کو فوقیت دے کر در اصل تقلید کے پھندے میں پھنس کر کئی فرقوں میں تقسیم ہو کر باہمی لڑائی جھگڑا اور دوسرے اہلِ حدیث کو بدعتی کہنے کا مفتی اور مبلغ بن بیٹھا ہے۔'' [فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کی اہمیت: ۵]

اگر مقلدین بدعقیدہ ہیں تو علی زئی سمیت تقلیدی اہلِ حدیث بدعقیدہ شمار ہوں گے۔

ہم نے حاشیہ: ۴۸۹ میں نام نہاد اہلِ حدیثوں کا بدعقیدہ ہونا خود ان کے اپنے لکھاریوں کے حوالہ سے نقل کر دیا ہے۔اگر علی زئی صاحب کی عبارت میں بدعقیدہ مقلدین کا مصداق تقلیدی اہلِ حدیثوں کو قرار دیا جائے تو کیسا رہے گا؟؟؟

فائدہ : بطور فائدہ عرض ہے کہ غیر مقلدین کے بہت سے ممدوح بھی تقلید کے حامی ہیں۔

(۱)......مثلاً محمد بن صالح العثیمین فرماتے ہیں:

''تقلید دو جگہ ہوتی ہے: اول:...مقلد ایسا عامی آدمی ہو جو بذاتِ خود حکم کو پہچاننے کی طاقت نہ رکھتا ہو، اس کا فرض تقلید ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ﴾[النحل : ٤٣] ''پس اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے دریافت کرلو۔'' وہ اس کی تقلید کرے جس کو وہ علم اور تقویٰ کے لحاظ سے سب سے بہتر سمجھتا ہے۔اگر اس کے نزدیک دو شخص برابر ہوں تو اسے ان کے درمیان اختیار ہے۔ دوم:....مجتہد کے لیے ایسا واقعہ پیش آئے جو فی الفور (فیصلہ) کا تقاضا کرے، اور اس کے بارے میں غور وفکر پر قادر نہ ہو اس صورت میں اس کے لیے تقلید جائز ہے، بعض نے تقلید کے جواز کے لیے شرط لگائی ہے کہ وہ مسئلہ ان اصول دین میں سے نہ ہو جن پر اعتقاد رکھنا واجب ہے، اس لیے کہ عقائد میں ٹھوس بات کا ہونا

ضروری ہے، اور تقلید صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ راجح بات یہ ہے کہ بے شک یہ شرط نہیں ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ عام ہے: ﴿فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون﴾[النحل: ٤٣] یہ آیت رسالت کے اثبات کے بیان میں ہے، اور وہ اصول دین میں سے ہے۔ اس لیے کہ عامی آدمی حق کو دلائل کے ساتھ پہچاننے کی طاقت نہیں رکھتا، تو جب بذاتِ خود اس پر حق کو پہچاننا مشکل ہو جائے تو صرف تقلید باقی بچتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فاتقوا اللہ ما استطعتم﴾[التغابن: ١٦] پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔'' [الاصول من علم الاصول مترجم: ۱۰۱ طبع مکتبہ قدوسیہ، اہتمام طباعت ابوبکر قدوسی]

اس عبارت میں کہا گیا ہے کہ عقائد میں بھی تقلید کرنا درست اور قرآنی حکم کی پیروی ہے۔

محمد بن صالح مذکور کے لیے غیر مقلد لکھاری بہت زیادہ عقیدت کا اظہار کیا کرتے ہیں۔

محمد رحمت اللہ خان غیر مقلد نے ''عالم اسلام کے کبار علماء'' کا عنوان قائم کر کے تیسرے نمبر پر ان کا نام لکھا ہے عبارت ملاحظہ ہو:

''(۳) شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ'' [تلاش حق کا سفر: ۱۵۰ طبع بنگلور انڈیا]

غیر مقلدین کے رسالہ ''السنہ'' میں لکھا ہے: ''عالم عرب کے مشہور عالم دین علامہ فقیہ فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمن رحمہ اللہ'' [السنہ شمارہ: ۳۴ رمضان ۱۴۳۲ھ صفحہ: ۲۹]

خود علی زئی صاحب کی زبانی ان کا ذکرِ خیر ملاحظہ فرمائیں:

''سعودی عرب کے مشہور مفتی شیخ محمد بن صالح ابن العثیمین رحمہ اللہ'' [علمی مقالات: ۱۷۲/۳]

(۲)......علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''ابن الصلاح (تقلیدی) نے عامی (مقلد) کے بارے میں لکھا ہے: فان کان شافعیاً لم یکن لہ ان یستفتی حنفیاً و لا یخالف امامہ ''پس اگر وہ شافعی ہے تو اسے حنفی سے مسئلہ نہیں پوچھنا چاہیے اور اپنے امام کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔'' [علمی مقالات: ۱۵۴/۶]

قوسین میں ''تقلیدی''...اور...''مقلد'' کے الفاظ بھی علی زئی کے تحریر کردہ ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''غالی شافعی حافظ ابن الصلاح۔'' [علمی مقالات: ۱۷۳/۴]

علی زئی صاحب کے نزدیک امام ابن الصلاح ''غالی تقلیدی'' ہیں۔ تو کیا وہ مقلد ہونے کی وجہ سے بدعقیدہ ہیں؟؟

اسی طرح علی زئی صاحب کی عبارتیں ہم پیچھے نقل کر آئے ہیں کہ رواۃ حدیث/محدثین میں بدعقیدہ لوگ بھی ہیں۔ اور علی زئی انہی محدثین کو اپنا ہم مذہب اہلِ حدیث بھی کہتے ہیں۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے ہر بندہ خود ہی غور کر لے۔ (جاری) ☆☆☆☆

مولانا عبدالجبار سلفی

تبصرہ وتعارف

کتاب کا نام: کرنیں ایک ہی مشعل کی (منظوم)   شاعری وترتیب: انجم نیازی
صفحات: تین سو چھبیس (۳۲۶)   ناشر: دارالامین 0334-4612774

برصغیر پاک وہند میں شاعر لوگوں نے زیادہ تر اپنے فن کو عشق مجازی اور بے ہودگی سے پلید کیا ہے اور بہت کم ایسے خوش نصیب اہل فن گزرے ہیں کہ جنھوں نے اپنی شاعری کا استعمال پیغام امن و مذہب، عروج انسانیت اور معاشرے کے خدوخال صاف کرنے میں کیا۔ اُردو زبان کی ترویج وترقی کے دھندلکوں میں اُبھرنے والا مطلع ہند پہ پہلا نام جس شاعر کا نظر آتا ہے وہ حضرت امیر خسرو دہلوی تھے جنہیں طوطیٔ ہند کہا جاتا ہے، وہ اگرچہ فارسی شاعر کے طور پر اُبھرے، تاہم تاریخ کہتی ہے کہ انہوں نے سب سے پہلا شعر اُردو میں کہا تھا اور پہلی اُردو غزل بھی انہیں کی طرف منسوب ہے۔ علاوہ ازیں اردو میں مستعمل ہندی، گجراتی، سنسکرت اور دیگر علاقائی زبانوں کے الفاظ بھی انہوں نے فارسی بحروں میں باندھے ہیں۔ اس کے بعد برصغیر کی مٹی نے بلا مبالغہ ہزاروں شعراء پیدا کئے جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے لوگوں کے دماغ گرمائے ہیں۔ مگر مومنانہ لہو اور قلبِ سلیم کو گرمانے والوں کی تعداد بہت کم رہی ہے۔

اِس وقت ہم عصر حاضر کے ایک معروف شاعر جناب انجم نیازی صاحب کے منظوم مجموعہ ''کرنیں ایک ہی مشعل کی'' پر اظہارِ خیال سپردِ قلم کرنا چاہتے تھے، یاد پڑتا ہے کہ بہت عرصہ قبل معروف صحافی اجمل نیازی نے اپنی ایک مطبوعہ کتاب ''بازگشت'' میں میانوالی کے اہل فن اور ادباء وشعراء کے تذکرے لکھے تو اس میں نیازی صاحب پر بھی ایک مربوط ومضبوط مضمون شامل تھا۔ نیازی صاحب کا اصل نام شیر باز خان ہے۔ اور انہوں نے اپنی شاعری کی پاکیزگی اور تخلیقی جولانیوں کو بے داغ رکھنے کے لیے منقبت ونعت کے ذریعے بیداری کے چراغ روشن کیے۔ نیازی صاحب کی شاعرانہ صلاحیتوں پر تو کوئی شاعر ہی تبصرہ کرسکتا ہے، ہم نے تو متذکرہ کتاب میں یا علاوہ اس کے اُن کی جب بھی کوئی نظم یا منقبت سنی تو اسلام کا قرنِ اول آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شاعر کی ایک پہچان یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ زمان ومکان کی حدود وقیود سے بہت دور ایسی جگہ پر جا کھڑا کرتا ہے کہ جہاں تسکین قلب وجگر کا جملہ سامان میسر ہوتا ہے۔ نیازی

صاحب کا کلام نہایت فصیح و بلیغ اور شگفتہ وصاف ہوتا ہے، مگر پیچیدہ استعارات اور دور اُز کار تشبیہات سے پاک ہوتا ہے۔ اوران کے کلام میں نظریہ وفکر کی دعوت ہی بلکہ کامل اصلاح کا مورد بھی موجود رہتا ہے۔ بارگاہ خلیفۂ بلافصل میں ان کی زمزمہ سازی کا نمونہ پڑھیئے !

مہکی ہوئی صدا کی صدا آپ ہی تو ہیں — حق آشنا لبوں کی دعا آپ ہی تو ہیں
بھیجا گیا جو پہلی خلافت کے واسطے — تختِ رسول ﷺ جس کو ملا، آپ ہی تو ہیں
جاپان کا ہو شخص کہ ہو قادیان کا — اس کے ہر اِک مرض کی دوا آپ ہی تو ہیں
کرتی ہے یاد جن کی رفاقت کو غارِثور — دو میں ایک مردِ خدا آپ ہی تو ہیں

اسی طرح سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھتے ہیں:

امن کا بے داغ سورج بن کے اُبھرا کون ہے — بنجر و بے آب میدانوں پہ برسا کون ہے
اک طرف حضرت علیؓ ہیں اِک طرف حضرت حسینؓ — دو پہاڑوں میں خشک پانی کا جھرنا کون ہے
کون آتا ہے پیام امن لے کر اس طرح — بستیوں کو زلزلوں سے یوں بچاتا کون ہے

اسی رنگ و انداز میں ''کرنیں ایک ہی مشعل کی'' رنگا رنگ ہے، جس میں خلفاء اربعہ، حضرات حسنین کریمینؓ، امہات المؤمنینؓ اور چند دیگر اہل کمال صحابہؓ وصحابیات کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

آج کل نعت اور منقبت خوانی کا بہت زیادہ رجحان ہے، جو لائق قدر ہے، مگر باعثِ تشویش اِس لیے بھی ہے کہ انتخابِ کلام، صحت لفظی کا التزام، الفاظ کی ادائیگی کے زیر بم کا اہتمام نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر انجم نیازی صاحب یا اِس پایہ کے شعراء کرام کے منظوم مجموعوں کی مدد سے جلسوں کو زینت دی جائے تو اعتقادی خرابیوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ خود نعت خوانوں کی بھی اصلاح کا عمل جاری رہے گا۔

زیر تبصرہ کتاب کا دیباچہ بعنوان ''توہین رسالت اور توہین صحابہ کا مفہوم کیا؟'' چند صفحات پر جو نیازی صاحب ہی کے قلم سے لکھا گیا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ موضوع سے مطابقت نہیں رکھتا بلکہ اس کے اکثر مندرجات بھی محل نظر ہیں، جن سے اتفاق ممکن نہیں ہے۔ کتاب کا دیباچہ موضوع کتاب سے متعلق ہونا چاہیے۔ متذکرہ دیباچہ میں کہا گیا ہے کہ: ''کسی مخصوص نظریہ کی بناء پر قرآن مجید کی مخصوص آیات ہی کو بار بار پڑھنا بے ادبی رسالت کے زمرے میں آتا ہے، مثلاً سورۂ عبس اور سورۂ تحریم کی ابتدائی آیات اور سورۃ اللہب وغیرہ کی تلاوت باعث برکت وثواب ہے، اِس سے کسی کو انکار نہیں، مگر سارے قرآن کو چھوڑ کر صرف اِن آیات کو شعوری طور پر کسی خاص مقصد کے لیے بار بار پڑھنا توہین رسالت ہے۔''

یہ فلسفہ درست نہیں۔ اِس طرح تو قرآن مجید کے ہر ہر پارہ کے ہر ہر رکوع میں ایسی آیات مل جائیں گی، بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر خطاب و بیان کی فوقیت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، جب قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کے کلام کو کوئی بحالت ایمان آخر کس مخصوص سوچ سے پڑھے گا کہ اس سے توہین رسالت کا تاثر پیدا ہوگا؟ ہاں! یہ ضرور ہے کہ بیان کرنے والا اپنی کم علمی ناقص معلومات اور قلت فہم یا زبان و بیان پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے غیر محتاط الفاظ کا استعمال کرتا ہے تو اس کی ضرور حوصلہ شکنی ہونی چاہیے۔ اشاعت سے پہلے اس دیباچہ کا کسی ماہر عالم دین کی نظروں سے گزرنا ضروری تھا۔

اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ اور مولانا سید سلمان ندوی رحمہ اللہ کی ''خاک پاءآنکھوں سے زیادہ مقدس سمجھنے'' کے باوجود ان حضرات کی تحریروں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں بوئے بے ادبی ثابت کی گئی ہے۔ اور یوں مودودی صاحب اور اِن حضرات کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔ نیازی صاحب لکھتے ہیں کہ: ''میرا ذوق یہ ہے کہ ان کا درج نہ کرنا ہی بہتر اور عام مسلمانوں کے حق میں مفید ہے۔'' ہم عرض کریں گے کہ: ان حضرات کا درج کرنا اِس قدر خطرناک نہیں تھا جس قدر اِن سطور میں نشاندہی درج کر کے خطرات پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ یہ انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔ اور جب ایک اصول طے ہو جائے کہ قائل ہی اپنے مندرجات کے مرادات واضح کرنے کا حق رکھتا ہے، تو اس کے بعد اِس قسم کی بحثوں میں اپنے قارئین کو اُلجھانا نامناسب ہے۔

ایرانی مفادات کو بٹورنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بدخوائی کرنا اُس دور میں جماعت اسلامی کا وطیرہ تھا، اِس لیے اُن کو بے گناہ نہیں کہا جا سکتا۔ اِسی طرح صحابہ کرام کو گالیاں دینا اہل تشیع کا صدیوں سے مستقل مذہب چلا آ رہا ہے، مگر اسلاف اہل سنت کہ جن کی نظر و فکر متعین تھی، ان کی کتابوں میں اگر کوئی ایسی چیز مل جائے تو اس کو مخفی رکھ کر ہی اپنے ذوق کی قربانی دے دینا مجاہدہ نفس اور کامیاب حکمت عملی کا تقاضہ ہے۔

اِسی طرح مذکورہ دیباچہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموں کے ساتھ ''حضرت'' کا لفظ استعمال کرنا بھی بے ادبی ہے، کیونکہ ہمارے ہاں منفی خیالات میں بھی کہا جاتا ہے کہ: فلاں بڑا حضرت ہے۔ (یعنی بڑا چالاک ہے)'' گزارش ہے کہ: یہ، الفاظ استعمال کرنے والے کی حماقت پر محمول ہوگا نہ کہ نفس الفاظ کی قباحت پر۔ وگرنہ تو آج کل جیب کتروں اور سگریٹ پیتے ہوئے ڈرائیوروں کو بھی ''استاذ'' کہا جاتا ہے۔ تو کیا لفظِ استاد ہی کا استعمال ترک کر دینا چاہئے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموں کے ساتھ ''سیدنا'' کے لفظ کی دعوت دی گئی ہے۔ (**بقیہ** صفحہ نمبر 85 پر)